اصول علم حدیث کے موضوع پر

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

کا تصنیف کردہ مایہ ناز مقدمہ

شرح مشکوۃ

شارح

ابوتراب مولانا محمد ناصر الدین ناصر مدنی عطاری

کتب خانہ امام احمد رضا

اُصول علم حدیث کے موضوع پر

شیخ عبدالحق محدث دھلی رحمۃ اللہ علیہ

کا تصنیف کردہ مایۂ ناز مقدمہ

مقدمہ شرح مشکوۃ

شارح

ابوتراب مولانا محمد ناصر الدین ناصر مدنی عطاری

کتب خانہ امام احمد رضا دربار مارکیٹ لاہور

نام کتاب : مقدمہ شرح مشکوٰۃ
تصنیف : الشیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
شارح : مولانا ابوتراب ناصرالدین ناصر مدنی
اشاعت اول : رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ/ اگست ۲۰۱۲ء
صفحات : 192
زیر اہتمام : عبدالشکور رضا
ناشر : کتب خانہ امام احمد رضا، دربار مارکیٹ، لاہور
قیمت : -/150 روپے

ملنے کے پتے

الصلٰوۃ والسلام علیك یا رسول الله
و علٰی آلك و اصحابك یا حبیب الله
الحمد لله رب العالمین
صلی الله علٰی محمد عدد ما ذکرہ الزکرون و عدد ما غفل عن ذکرہ الغافلونا.

انتساب

میں اپنی اس تالیف شرح مقدمہ مشکوٰۃ کا انتساب اپنے پیرومرشد، شیخِ طریقت، امیر اہلسنت، بانی دعوت اسلامی، مجدد سنت، رہبرِ دین وملت حضرت علامہ مولانا ابوالبلال محمد الیاس عطار قادری رضوی ضیائی دامت برکاتہم العالیہ کے نام کرتا ہوں جو نہ صرف خود شریعت وسنتوں کی چلتی پھرتی تصویر ہیں بلکہ جن کی ذات پرانوار کی بدولت ہر طرف سنتوں کی بہار چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ اللہ عزوجل اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ تمام علماء اہلسنت اور بالخصوص امیر اہلسنت کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم ودائم فرمائے اور ان کی ذاتِ پرانوار کو ہمارے لیے ذریعہ نجات بنائے۔ (آمین بجاہ النبی الکریم الامین)

خاکپائے علمائے اہلسنت

ابوتراب ناصرالدین ناصرمدنی

عرضِ ناشر

محترم قارئین! محدثین نے نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کے فرمانِ عالیہ اور احادیث مبارکہ کی جمع وترتیب میں جو محنتِ شاقہ اور ذہنی وفکری کاوش فرمائی اس کی مثال علوم ومعارف کی دنیا میں ڈھونڈنے کے باوجود نہیں ملتی۔ ان مبارک ہستیوں کا پوری ملتِ اسلامیہ پر ایک احسانِ عظیم ہے کہ اس انمول خزانے کو حوادث لیل ونہار سے بچا کر ساری کائنات کو ان کی روشنی سے منور فرمادیا۔

ان ہی میں سے ایک نام ''شیخ عبدالحق محدث دہلوی'' کا ہے جنہوں نے سب سے پہلے علم حدیث عرب سے برصغیر پاک وہند میں لاکر اس خطہ کو اس علم سے مالامال کر دیا اور اپنی عظیم اور معرکۃ الآرا تصنیفات سے فن حدیث کو تمام علاقے کے چپے چپے میں پھیلا دیا۔

یوں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بے شمار تصانیف تصوف، طریقت فضائل ومناقب اور دیگر موضوعات پر موجود ہیں لیکن آپ کی اصل وجہ مقبولیت احادیث مبارکہ کی خدمت ہے۔

قارئین کرام! آپ کے سامنے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا مشہور زمانہ ''مقدمہ مشکوٰۃ'' موجود ہے جو مختصر ہونے کے باوجود اپنے اندر علم کا سمندر رکھتا ہے۔ کیونکہ عوام الناس علم اصول حدیث سے بالکل نابلد ہین وہ نہیں جانتے کہ علم اصولِ حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعے احادیث کے معیار کو پرکھا جاتا ہے۔ لہٰذا ضرورت محسوس ہوئی کہ اس ''مقدمہ مشکوٰۃ'' کی شرح لکھی جائے تاکہ عوام الناس اس علمِ اصولِ حدیث کو جان سکیں اور اس کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔ چنانچہ ادارے نے اس عظیم دینی خدمت کے لیے حضرت علامہ مولانا ناصر الدین ناصر مدنی کو منتخب کیا تاکہ وہ اس شرحِ مقدمہ مشکوٰۃ کے ذریعے علم اصولِ حدیث کا فیض عوام تک پہنچائیں۔

مکتبہ علامہ موصوف کا شکرگزار ہے کہ انہوں نے ہماری اس درخواست کو قبول فرمایا۔

لہٰذا آج ''شرح مقدمہ مشکوٰۃ'' آپ کے ہاتھ میں ہے۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے ہماری اس دینی خدمت کو قبول فرمائے اور اس شرح کو ہمارے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم الامین ﷺ

فہرست

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ

ولادت وسن پیدائش نام ونسب

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی بھارت کے شہر دہلی میں ۹۵۸ھجری مطابق ۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے آپ کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے کہ آپ کے آباؤ واجداد میں سے آغا محمد ترک پھر انکے صاجزادے معزالدین اس کے بعدان کے فرزند ملک موسیٰ پھر ان کے صاجزادے شیخ فروز پھر ان کے فرزند شیخ سعد اللہ اور پھر ان کے ہونہار بیٹے شیخ سیف الدین اور یہ شیخ سیف الدین ہی وہ خوش بخت والا ہیں جنہیں شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ جیسا ہونہار فرزند عطا ہوا جس کی بدولت حضرت شیخ کے پورے خاندان کا نام روشن ہے، اور جن کی ہستی کے سبب پورے خاندان کو عزت وشرف فخر حاصل ہوا۔

تحصیل علم

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ عنہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم شیخ سیف الدین سے حاصل کی جو شعر وسخن کا ذوق رکھنے والے عالم اور صاحب حال، بزرگ تھے شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے والد ماجد سے قرآن کی تعلیم حاصل کی یہاں تک کہ صرف تین سال میں مکمل قرآن پاک پڑھ لیا اور ایک سال میں ہی قرآن پاک حفظ کرلیا۔ ایک ماہ میں ہی فن تحریر میں بھی مہارت حاصل کرلی آپ نے اپنے والد ماجد سے فارسی وعربی زبان میں بھی عبور حاصل کیا صرف تیرہ برس کی عمر میں آپ نے شرح عقائد وشرح شمسیہ ختم کرلیا۔ سولہ سال کی عمر میں آپ نے مختصر مطول وغیرہ پڑھا یہاں تک کہ اٹھارہ برس کی عمر میں آپ نے تمام علوم میں مہارت حاصل کرلی۔

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ کے معاصرین

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ کے معاصرین میں حضرت شیخ مجدد الف ثانی

نے حضرت شاہ ابوالمعالی، حضرت شیخ عبداللہ نیازی، ملا عبدالقادر بدایونی، میر سید طیب بلگرامی ،محمد غوثی شطاری ،نواب مرتضی خان، شیخ ابوالفیض فقیر حضرت خانخانہ رحمھم اللہ اجمعین وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت شیخ تصانیف

حضرت شیخ نے عربی وفارسی زبان میں جس موضوعات پر قلم اُٹھایا ان میں سیر و تذکرہ کے موضوع پر لکھی گئی کتاب ''اخبار الاخیار فی احوال الابرار''

اخلاق کے موضوع پر لکھی گئی کتابیں آداب العالمین آداب اللباس، حدیث کی کتاب اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوٰۃ اور ماثبت بالسنہ فی ایام، السنہ سیر وعقائد کے موضوع پر لکھی گئی کتاب زبدۃ الاثار منتخب بہجۃ الاسرار اور تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان تصوف کے موضوع پر لکھی گئی تصانیف توصیل المرید الی المراد بہ بیان شرح فتح الغیب، مرج البحرین اور نکات الحق و الحقیقت تاریخ پر لکھی گئی تصانیف جزب القلوب الی دیار المحبوب، شرح سفر السعادت سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھی گئی مشہور ومعروف تصنیف مدارج النبوۃ اور اس کے علاوہ فیرس التوالیف اور کتاب المکاتیہ الرسائل شامل ہیں۔ حضرتِ شیخ کی کل تصانیف کی تعداد ساٹھ ہے جن میں سے چند کا ذکر کیا گیا۔

حضرت شیخ کی دینی وعلمی خدمات

حضرت شیخ کی پوری زندگی دینِ اسلام کی سربلندی وترویج وتحفظ میں بسر ہوئی آپ نے دین اسلام کے خلاف اُٹھنے والے فتنوں کا قلع قمع کرنے اور اپنے مسلک اہلسنت وجماعت کی ترویج وترجمانی میں بے مثال وشاندار کارنامے انجام دیئے۔

جس وقت آپ ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان گئے تو اس وقت وہاں اکبر بادشاہ نے ایک نیا دینِ الٰہی ایجاد کر لیا تھا جس میں شعارِ اسلام کی تضحیک وتذلیل کا پرچار ہو رہا تھا شیخ یہ سب کچھ برداشت نہ کر سکے چنانچہ آپ نے دینِ اسلام کی ترویج وترقی کے لیے فوراً کمر کس لی اور اس سلسلے میں ایک دار العلوم کی بنیاد رکھی جس میں علمِ دین کی روشنی پھیلانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور اپنی پوری زندگی اسی جدوجہد میں دار العلوم کے لیے وقف کر دی اور درس وتدریس کی ذمہ

داری نبھاتے رہے۔

حضرتِ شیخ نے اپنی زندگی میں نہ صرف شعارِ اسلام کی حفاظت بلکہ ناموسِ مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کے لیے بلند پایاں کارنامے انجام دیئے آپ کے دور میں مہدوی تحریک عروج پر تھ جس کا بانی محمد جونپوری تھا اس کا کہنا تھا کہ وہ تمام کمالات جو حضرت محمد مصطفے ﷺ کو حاصل تھے مجھے بھی حاصل ہوگئے ہیں، اس کے علاوہ اس تحریک میں اتباع رسول ﷺ کی تکمیل مر امتی نبی ﷺ کی مثل ہوگیا تھا۔

چنانچہ حضرت شیخ نے اس تحریک کی نہایت شدومد سے مخالفت کی اور مقامِ مصطفیٰ ﷺ کے تحفظ کا فریضۂ عظیم انجام دیا اور شانِ ومقامِ مصطفیٰ ﷺ کی خوب خوب ترویج واشاعت کی۔

جس زمانے میں علماء سوء بدعتوں کی سرپرستی اور فسق وفجور کی حوصلہ افزائی کرنے لگے نا نہادصوفیاء نے طریقت کو شریعت سے علیحدہ کر کے تصوف کا حلیہ بگاڑ دیا عقائد نبوت و دیدا الٰہی کا تمسخر اُڑایا جانے لگا، بادشاہِ وقت اکبر بادشاہ کے دور میں کسی کی مجال نہ تھی کہ دیوان خانے میں اعلانیہ نماز ادا کر سکے۔ چاند سورج کی عبادت کی جانے لگی، ماتھے پر قشقہ لگایا جانے لگا، کتے اور خنزیر کی نجاست کا حکم کالعدم قرار دیا گیا اور ان کو دیکھنا عبادت قرار پایا اس دور میں جب کہ عقائد واعمال میں شدید بگاڑ پیدا ہوگیا۔ حضرت شیخ دینی تعلیمات پر کمربستہ ہوگئے اور اس کے فروغ واشاعت کے لیے جدوجہد تیز تر کردی آپ نے شہزادہ جہانگیر اور دیگر امرا سلطنت کو اپنے درد میں ڈوبے خطوط کے ذریعے ہوش دلایا اور ان کی دینی غیرت کو جوش دلایا تا کہ اب کوئی اور اپنے پیش رو کی گمراہیوں میں مبتلا نہ ہو۔

یہی نہیں بلکہ علمِ حدیث جو کہ شمالی ہند سے تقریباً ختم ہو چکا تھا حضرت شیخ کی علمِ حدیث کے سلسلے میں کی گئی کوششوں کے سبب ہو ہندوستان میں علمِ حدیث کی شمع فروزاں ہوئی آپ نے علمِ حدیث کی تدریس وتصنیف کا ایسا شاندار سلسلہ شروع کیا جو کہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

الغرض حضرتِ شیخ نے تجدیدِ اسلام نفاذِ سنت اور اماتتِ بدعت کے سلسلے میں جو بے مثل وشاندار کارنامے انجام دیئے وہ رہتی دنیا تک تاریخ میں رقم رہیں گے۔

کلمات الثناء:

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ گیارھویں صدی کے شروع سے میں تیرہویں صدی کے آخر تک علمِ حدیث پر جتنی کتابیں ہندوستان میں لکھی گئیں یہ سب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا اثر تھا۔

اور مزید فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ کے اعلیٰ وارفع مقام کی پوری وضاحت کردی اور ہر ہر گمراہی پر شدت سے تنقید کی۔[1]

غیر مقلدین کے پیشوا نواب صدیق حسن خان بھوپالی، شیخ عبدالحق محدث کی علمی فضیلت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہندوستان جب فتح ہوا اِس وقت علمِ حدیث نہیں تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان کے بعض علماء مثلاً شیخ عبدالحق دہلوی اور ان جیسے دوسرے علماء پر اس علم کا فیضان نازل فرمایا۔ شیخ عبدالحق وہ پہلے عالم ہیں جو ہند میں علمِ حدیث لائے اور یہاں کے لوگوں کو بہترین انداز میں یہ علم سکھایا یہی نہیں بلکہ موصوف نے شیخ صاحب کی تصانیف کی اہمیت ومقبولیت کو بھی تسلیم کیا ہے لکھتے ہیں۔ '' شیخ عبدالحق کی تمام تصانیف علماء کے نزدیک مقبول ومحبوب ہیں علماء انہیں شوق سے پڑھتے ہیں اور واقعی وہ اس لائق ہیں۔ ان کی عبارات میں قوت، فصاحت وسلاست ہے کان انہیں محبوب رکھتے ہیں اور دل لطف اندوز ہوتے ہیں۔''[2]

پیر ومرشد:

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی اپنے دور کے بلند پایہ کے عالم ہی نہیں بلکہ اولیائے

---

[1] حیات شیخ عبدالحق محدث دهلوی ص ۲۲۷ حصه ٦٤.

[2] صدیق حسن خان بهوپالی - الحطه ص ۱۲۰ - ۱۲۱.

وقت کا درخشاں وتابندہ ستارہ بھی ہیں طریقت ہو یا شریعت دونوں میں آپ کو بلند مقام حاصل ہے طریقت کی ابتداء آپ کے والد ماجد نے آپ کو کروائی اِس کے علاوہ اِس دور کے سلسلہ قادری کے مشہور ومعروف بزرگ حضرت سید محمد موسیٰ گیلانی رحمۃ اللہ سے خصوصی عقیدت ولگاؤ کے سبب شیخ صاحب نے انکے دستِ حق پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور حضرتِ سید موسیٰ گیلانی رحمۃ اللہ نے انہیں اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ اور اِن کے علاوہ شیخ عبدالوہاب متقی مکی رحمۃ اللہ کا شمار بھی آپ کے رہبروں میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے آپ کو چاروں سلسلوں کی اجازت عطا فرمائی۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کے معروف ترین بزرگ حضرت خواجہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ کے دستِ حق پر بھی شیخ صاحب نے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

بے مثل حافظہ:

اللہ عزوجل نے شیخ محقق کو علم وفہم کا وافر مقدار میں حصہ عطا فرمایا شیخ صاحب اپنے بے مثال وحیرت انگیز حافظہ کے متعلق خود تحریر فرماتے ہیں کہ۔ ''دواڑھائی سال کی عمر میں دودھ چھڑائے جانے کا واقعہ مجھے آج بھی یاد ہے جیسے کل کی بات ہو۔''[1]

اپنے شاندار قوتِ حافظہ کے سبب صِرف تین ماہ کے قلیل عرصے میں قرآنِ پاک ختم کرلیا اور ایک ماہ کے قلیل عرصے میں فنِ تحریر پر بھی عبور حاصل کرلیا۔ کم سِنی میں ہی فارسی وعربی زبان میں مہارت حاصل ہوگئی یہاں تک کہ اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم دینیہ میں کمال حاصل کرلیا۔ آپ کی ذہانت ومتانت کا یہ عالم تھا کہ آپ کے اساتذہ آپ سے فرماتے۔ ''ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں اور ہمارا تم پر کوئی احسان نہیں ہے''۔[2]

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت وعقیدت رکھتے تھے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے شہرِ پاک مدینہ منورہ میں ننگے پاؤں پھرا کرتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک سن کر آپ پر وَجدانی کیفیت طاری ہوجاتی اور رُوح وبدن میں کیف ومستی

---

(1) عبدالحق محدث دهلوی شیخ محقق ص ۳۰۰.
(2) اخبارالاخیار صفحه ۳۰۲.

چھا جاتی۔ حضور پرنور ﷺ سے اِس بے پایاں عشق کے سبب شیخ محقق نے بارگاہ رسالت میں ایک نعت بھی پیش کی جس کے چند اشعارِ حصولِ تبرک کے لیے سماعت فرمائے۔

* نبی اکرم ﷺ کی نعت کہو لیکن چونکہ تم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے اس لیے یہ ایک شعر پڑھ کر آپ ﷺ کی اجمالی تعریف پر اکتفا کرو۔

* حکم شریعت اور دین کی حفاظت کے پیش نظر سرورِ عالم ﷺ کو خدا نہ کہو اس کے علاوہ آپ ﷺ کی تعریف میں جو وصف چاہو تحریر کرو۔

* یارسول اللہ ﷺ میں آپ کے جمالِ اَقدس کے ہجر کے غم میں پریشان ہوں، اپنا دِیدار عطا فرمائیں اور محبِ صادق کی جان پر رحم فرمائیں۔

* سیاہ کاروں کے ظلم سے دُنیا تارِیک ہوگئی ہے، آپ تشریف لائیں اور نوری تجلیات سے جہاں کو روشن فرمائیں۔ ①

خود حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان ہے کہ اِنہیں چار مرتبہ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی۔ ②

۲۳ ربیع الثانی ۹۹۷ھ سے آخر رجب ۹۹۸ھ تک مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور دورانِ قیامِ حضور سید الانبیاء ﷺ کی خوب خوب نوازشیں لوٹیں۔ خود شیخ موصوف فرماتے ہیں۔

"اس فقیر حقیر نے حضرت خیر البشر ﷺ سے جو اِنعام وَ اِکرام کی بشارتیں پائی ہیں اِن کی طرف اشارہ نہیں کرسکتا۔ ③

حضرتِ شیخ کے اساتذہ:

اِبتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سیف الدین بن سعد اللہ دہلوی سے حاصل کی اِس کے علاوہ فقہائے ماوراء النہر (بخارا، سمرقند سنف ایجاب خجند خوارزم۔ کاشغر وغیرہ) سے بھی حصولِ علم کی سعادت حاصل کی مکہ معظّمہ کے محدثین سے بخاری و مسلم کا درس حاصل کیا۔ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ سے مشکوۃ شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی اور ان سے تصوف و فقیہہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

---

① حیاتِ شیخ عبدالحق محدث دھلوی ص ۱۱۲. ② حیاتِ شیخ عبدالحق ص ۱۱۸. ③ اخبار الاخیار ص ۳۰٤.

وصال:

علم ومعرفت کا درخشاں ستارہ، احادیثِ نبویہ کا عظیم شارح دین اسلام کا نگہبان ومقام مصطفیٰ ﷺ کا محافظ مسلک اہلسنت کا یہ عظیم علمبردار ۹۴ برس کی عمر میں دُنیا کی نِگاہوں سے تو رُوپوش ہوگیا مگر رہتی دُنیا تک اپنے بے مثال علمی کارناموں کا سکّہ بٹھا گیا جسے تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔ آپ کا سنِ وصال ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ ہے۔ آپ کی تدفین آپ کی وصیت کے مطابق شہرِ دہلی کے مشہور محلّہ مہرولی شریف میں حوض شمسی کے کنارے ہوئی آپ کی نماز جنازہ آپ کے فرزند باسعید علامہ نورالحق نے پڑھائی۔

مقدمہ

اعلم أنَّ "اَلْحَدِيث" في اصطلاح جمهور الْمُحَدِّثِين يطلق علىٰ قول النبيﷺ وفعله وتقريره و معنیٰ التقرير:أنّه فعل أحد، اوقال شيئاًفى حضرتهﷺ ولم ينكره ولم ينهه عن ذلک بل سکت وقرَّر،وکذلک يطلق علیٰ قول الصحابی وفِعله وتقريره، وعلیٰ قول التابعی وفعله، وتقريره.

"جمہور محدثین کی اصطلاح میں حدیث کا اطلاق نبی ﷺ کے قول وفعل اور تقریر پر ہوتا ہے تقریر کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں کچھ کیا یا کہا اور آپ نے نہ تو اس کا انکار کیا اور نہ منع کیا بلکہ خاموش رہے اور قائم رکھا اسی طرح صحابی اور تابعی کے قول وفعل اور تقریر پر بھی حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔"

تشریح:

حدیث: حدیث کے لغوی معنی جدید کے ہیں اور اس کو قدیم کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

فقیہہ الہند شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں۔

''حضور اقدس ﷺ کے قول وفعل حال اور تقریر کو کہتے ہیں۔

بعض حضرات اس میں تعمیم کرتے ہیں کہ صحابی اور تابعی کے اقوال و افعال احوال و تقریرات بھی، حدیث ہیں۔

لیکن عام شائع ذائع پہلا ہی محاورہ ہے لفظ حدیث سے اوّل وہلہ میں ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا قول یا فعل یا حال یا تقریر ہے۔

تقریر سے مراد یہ کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے کسی صحابی نے کچھ کیا یا کہا۔ اور حضور نے سکوت اختیار فرمایا۔ یہ تقریر ہے۔''[1]

محمد بن یوسف الکرمانی نے حدیث کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

اضیف الی النبی صلی الله علیه وآله وسلم من قول اوفعل اوتقریر اووصف خَلقی او خُلقی .[2]

''مقدمہ''

فماانتهی الی النبے صلی الله علیه و آله وسلم یقال له المرفوع

''جو حدیث نبی ﷺ تک پہنچے اس کو مرفوع کہتے ہیں۔''

تشریح

خطیب بغدادی حدیث مرفوع کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

المرفوع ما اخبر فیه الصحابی عن قول رسول الله او فعله.[3]

مرفوع وہ روایت ہے جس میں ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول وفعل کی خبر دیں۔

---

① نزهته القاری جلد۱ ص ۳۶. ② الکواکب الدرای ۱۲/۱. ③الکفایه ص ۲۱.

علامہ ابن حجر عسقلانی نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں:

وهو اما ان ينتهي الى النبي ويقتضي لفظه اما تصريح اوحكما ان المنقول بذلك الاسناد من قوله اومن فعله اومن تقريره.[1]

مرفوع وہ حدیث ہے جو نبی اکرم ﷺ پر منتھی ہوتی ہے اور اس کے الفاظ تصریحاً یا حکماً یہ تقاضا کرتے ہیں کہ اس اسناد سے جو کچھ منقول ہے وہ حضور اکرم ﷺ کا قول فعل یا تقریر ہے۔

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

وهو ما اضيف الى رسول الله ﷺ خاصه ولا يقع مطلقة على غير ذلك ويدخل في المرفوع المنطقع والمرسل ونحوها.[2]

مرفوع وہ حدیث ہے جو خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کی جائے اس کے سوا کسی اور پر اس کا اطلاق نہیں۔ اور اس میں متصل منقطع مرسل اور اس طرح کی تمام روایات داخل ہیں۔

❁ حدیث مرفوع کی اولاً دو قسمیں ہیں۔

⊙ حدیث مرفوع صریح ⊙ حدیث مرفوع حکمی

❁ حدیث مرفوع صریح کی تین قسمیں ہیں۔

⊙ مرفوع قولی صریح ⊙ مرفوع فعلی صریح ⊙ مرفوع تقریری صریح

❁ حدیث مرفوع:

حدیث مرفوع حکمی کی بھی تین قسمیں ہیں۔

⊙ مرفوع قولی حکمی ⊙ مرفوع فعلی حکمی ⊙ مرفوع تقریری حکمی

❁ مرفوع قولی صریح:

مرفوع قولی صریح سے مراد وہ حدیث ہے جس کی سند حضور اکرم ﷺ تک پہنچے اس میں حضور اکرم ﷺ کا کوئی صریح ارشاد نقل کیا گیا ہو اس کی مثال یہ ہے صحابی فرماتے ہیں۔

---

① نزھۃ النظر صفحہ ۱۰۳۔ ② مقدمہ ابن صلاح صفحہ ۴۵۔

حدثنا رسول الله ﷺ بکذا

سمعت رسول الله ﷺ یقول کذا

ہم سے رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان کیا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنایا یا کوئی صحابی یا غیر صحابی یہ کہے۔

قال رسول الله ﷺ کندا عن رسول الله ﷺ انه قال کذا

رسول اللہ ﷺ نے ایسے فرمایا

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح فرمایا۔

مرفوع فعلی صریح:

مرفوع فعلی صریح سے مراد وہ حدیث ہے جس کی سند حضور اکرم ﷺ تک پہنچے اور اس میں حضور اکرم ﷺ کا کوئی عمل صراحتہً نقل کیا گیا ہو جیسے صحابی فرمائیں۔

روایت رسول الله ﷺ فعل کذا

یعنی میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے کرتے دیکھا۔

یا صحابی و غیر صحابی کہے۔

کان رسول الله ﷺ یفعل کذا

"رسول اللہ ﷺ ایسا کیا کرتے تھے۔"

مرفوع تقریری صریح:

مرفوع تقریری صریح وہ حدیث ہے جس کی سند حضور اکرم ﷺ تک پہنچے اور اس میں حضور اکرم ﷺ کے سامنے کوئی کام ہونے کا ذکر ہو لیکن حضور اکرم ﷺ نے اس کام پر انکار نہ فرمایا یعنی آپ ﷺ نے اسی کو مقرر رکھا رد نہ فرمایا۔ جیسے صحابی فرمائے۔

فعلت بحضرة النبی ﷺ کذا.

"میں نے حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں ایسا کیا۔"

یا صحابی و غیر صحابی فرمائیں۔

فعل فلاں بحضرة النبی ﷺ كذا.

''فلاں شخص نے حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں یہ کام کیا۔''

مرفوع قولی حکمی:

وہ حدیث کہ جس میں کوئی صحابی رضی اللہ عنہ کسی ایسے واقعہ کی خبر دے اور کوئی ایسی بات کہے جو نہ تو اسرائیلیات میں سے ہو نہ اس میں صحابی کے اجتہاد کا دخل ہو نہ وہ حل لغات یا شرح غریب سے متعلق ہو مثلاً قربِ قیامت کے فتنے یا احوال قیامت یا کسی مخصوص کام کا مخصوص ثواب یا مخصوص عذاب کو بیان کیا جائے۔

مرفوع فعلی حکمی:

حدیث مرفوع فعلی حکمی وہ حدیث یہ جس کی سند کسی صحابی تک پہنچی ہو اور اسی میں صحابی کا کوئی ایسا کام نقل کیا گیا ہو جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو تو صحابی کے اس عمل کو مرفوع کا درجہ دیا جائے گا اور سمجھا جائے گا کہ یہ عمل آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق یا آپ ﷺ کی طریق سے ماخوذ ہوگا۔

مرفوع تقریری حکمی:

حدیث مرفوع تقریری حکمی وہ حدیث ہے جس کی سند کسی صحابی تک پہنچے اور صحابی ارشاد فرمائیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ایسا کیا کرتے تھے۔ اور یہ اس لیے حجت ہے کہ ان کے کاموں پر حضور اکرم ﷺ مطلع ہوتے تھے اور ویسے بھی صحابہ کرام علیہم رضوان ہر کام آپ ﷺ سے پوچھ کر کیا کرتے تھے اس لیے صحابہ کسی ایسے فعل کو دائماً نہیں کر سکتے نیز زمانہ بھی نزول وحی کا تھا۔ اس لیے اگر صحابہ کا کوئی عمل ناپسندیدہ ہوتا تو شریعت ضرور اس سلسلے میں کوئی ہدایت دیتی پس یہ حدیث مرفوع تقریری حکمی ہے۔ اس کی مثال بخاری شریف کی حدیث جس میں ابوسعید خذری رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ نے عزل کے جواز پر اس طرح استدلال کیا ان سے مروی ہے۔

كنا نعزل والقرآن ينزل.

''یعنی ہم عزل کیا کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔''[1]

''مقدمہ''

وما انتهى الى الصحابى يقال له الموقوف كما يقال قال اوفعل اوقرر ابن عباس اوعن (ابن عباس موقوفا او موقوف على ابن عباس.

''اس کو موقوف کہتے ہیں جیسے یوں کہا جائے'' قال'' یا ''فعل'' یا'' قرر ابن عباس'' یا ''عن ابن عباس موقوفاً'' یا ''موقوف اور جو صحابی تک پہنچے۔'' علیٰ ابن عباس''۔

حافظ ابن حجر عسقلانی مہ نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں۔

اوينتهى غاية الاسناد الى الصحابى كذلک اى مثل ما تقدم فى كون اللفظه مقتضى التصريح بان المنقول هومن قول الصحابى اومن فعله اومن تقريره ولا يحجى فيه جميع ما تقدم بل معظمه والتشبيه لا نشترا فيه المصاوة من كل جهة

''موقوف یہ ہے کہ سلسلہ اسناد اس طرح صحابی پر ختم ہو یعنی جس طرح پہلے کہا جاچکا ہے کہ الفاظ صریح ہوں کہ منقول صحابی کا قول فعل یا تقریر ہے اس میں تمام سابقہ شرائط (مرفوع والی) تو نہیں آئیں گی لیکن گزشتہ بیان کا بڑا حصہ شامل ہوگا۔''[2]

خطیب بغدادی " الکفایہ فی علم الروایۃ"میں موقوف کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

والموقوف مااسنده الراوى الى الصحابى ولم يتجاوزه.

اور موقوف جس کی اسناد صحابی تک پہنچے اس سے آگے نہ بڑھے۔[3]

ابن الصلاح عثمان بن عبدالرحمٰن مقدمہ ابن الصلاح میں لکھتے ہیں۔

---

① بخاری کتاب النکاح باب العزل. ② نزھۃ النظر صفحہ ۱۰۸. ③ الکفایہ صفحہ ۲۱.

وهوما بروى عن الصحابه من اقوالهم وافعالهم ونحوها فيوقف عليهم ولايتحاوز به الى رسول الله ثم ان منه مايتصل الاسناد فيه الى الصحابى فيكون من الموقوف الموصول ومنه مالا يتصل اسناده فيكون من الموقوف غير الموصول على حسب ماعرف مثله فى المرفوع الى رسول الله.

''اور موقوف وہ ہے جو صحابی سے ان کے اقوال وافعال کی صورت میں مروی ہو۔ انہی پر موقوف ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہ پہنچے پھر ان میں سے جس کی سند صحابی تک متصل ہو تو وہ موقوف موصول ہوگی۔ اور جس کی سند غیر متصل ہو تو وہ موقوف غیر موصول ہوگی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے والی مرفوع روایت کے سلسلے میں معلوم ہو چکا ہے۔''[1]

علامہ نووی ''التقریب میں لکھتے ہیں۔

الموقوف وهو المروى عن الصحابه قولاهم اوفعلا اونحولا متطلا كان او منقطعا ويتعمل فى غير هم مقيد افيقال دقفه فلان على الزهرى.

''جو مروی ہو صحابہ سے، ان کا قول یا فعل یا اسی طرح متصل ہو یا منقطع اور اس کے غیر میں استعمال ہوتی ہے اور کہا جاتا ہے اس نے زھری پر وقف کیا۔''[2]

حاکم محمد بن عبداللہ اینا پوری ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں لکھتے ہیں۔

فاما الموقوف على الصحابه فانه قل ما يخفى على اهل العلم و شرحه ان يروى الحديث الى الصحابى من غير ارسال ولا اعفال فاذا بلغ الصحابى قال انه كان يقول كذا وكان يفعل كذا وكان بكذا وكذا.

---

[1] مقدمه ابن الصلاح صفحه ٤٦. [2] التقريب صفحه ٦.

''جہاں تک صحابہ کے موقوفات کا تعلق ہے تو ایسی کم ہی ہوں گی جو اہلِ علم پر مخفی ہوں اس کی تشریح یہ ہے کہ حدیث صحابی تک بغیر ارسال و افعال مروی ہو۔ جب تک صحابی تک پہنچے تو صحابی کہتے اس نے ایسا کیا تھا وہ ایسا کیا کرتا تھا یا اس طرح کا حکم دیتا تھا۔''[1]

حافظ بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی تعریف سے یہ واضح ہوا کہ موقوف کی تین قسم میں ہیں۔
⊙ حدیث موقوف قولی ⊙ حدیث موقوف فعلی ⊙ حدیث موقوف تقریری۔

❁ حدیث موقوف قولی:

وہ حدیث ہے جس میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ارشادات منقول ہوں۔ جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"احدثو النّاس بما یعرفون اتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ (بخاری)

''لوگوں کو وہ چیز بیان کرو جسے وہ سمجھ سکیں کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔''

❁ حدیث موقوف فعلی:

وہ روایت ہے جس میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے کسی فعل کا ذکر موجود ہو جیسے۔

عن جابر بن عبداللہ قال کنااذا صعدنا کبرنا و اذا نزلنا سبحنا.

''جابر بن عبداللہ سے روایت فرمایا کہ جب ہم چڑھتے تو تکبیر کہتے تھے اور اُترتے تھے تو سبحان اللہ کہتے تھے۔''[2]

❁ حدیث موقوف تقریری:

وہ روایت ہے جس میں تابعی کا قول ہو کہ میں نے فلاں صحابی کے سامنے یہ کیا اور انہوں نے تکبیر نہیں کی مثلاً یوں کہے۔

فعلت کذا امام احدالصحابہ ولم ینکر علیَّ.

''میں نے ایک صحابی کے سامنے یوں کیا اور انہوں نے میری نکیر نہیں کی۔''

---

① معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۱۹. ② بخاری کتاب الجہاد.

”مقدمہ“

ومالنتھی الیٰ التابعی یقال له المقطوع وقد خصص بعضھم الحدیث بالمرفوع والموقوف.

”اور جو حدیث تابعی تک پہنچے اسے مقطوع کہا جاتا ہے بعضوں نے صرف مرفوع اور موقوف کو حدیث کہا ہے۔“

حدیث مقطوع

تشریح:

مقطوع قطع سے ہے جس کے معنیٰ کاٹنا یا جدا کرنا ہے۔عثمان بن عبدالرحمان ابن الصلاح لکھتے ہیں۔

ھو ماجاء عن التابعین موقوفا علیھم من اقوالھم وافعالھم.

”مقطوع وہ روایت ہے جس کی سند تابعین کے اقوال و افعال پر رک جائے۔“[1]

علامہ نووی لکھتے ہیں۔

المقطوع و جمعه المقاطیع وھو الموقوفه علی التابعی قولاله اوفعلاً.

”مقطوع جس کی جمع مقاطیع ہے اور جو قول اور فعل کے لحاظ سے تابعی پر موقوف ہو جائے۔“[2]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

والثالث المقطوع وھو ما انتھی الی التابعی ومن دون التابعی من

---

① مقدمہ ابن العلاح صفحہ ٤٧.　　② التقریب صفحہ ٦.

اتباع التابعین فمن بعدھم فیہ ای فی التسمیہ مثلہ ای مثل ما ینھی الی التابعی فی تسمیہ جمیع ذٰلک مقطوعا.

''اور تیری قسم مقطوع ہے اور وہ ایسی حدیث ہے جس کی سند تابعی یا اس کے نیچے تبع تابع یا اس کے بعد کسی شخص پر ختم ہو جاتی ہے تابعی تبع تابعی اور اس کے بعد کہ شخص پر ختم ہونے والی تمام روایات مقطوع کہلائیں گئی۔[1]

''مقدمہ''

اِذالُمَقطُوع یقال لہ الأثر وقد یطلق الاثر علی المرفوع ایضاً کما یقال الأدعیۃ المأثورۃ الماجاء من الادعیۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و''الطحاوی'' سَمّٰی کتابہ المشتمل علیٰ بیان الاحادیث النبویۃ وآثار الصحابۃ ب ''شرح معانی الاثار'' وقال ''السخاوی'' إنّ الطبرانی کتاباً مسمّی ب ''تھذیب الاثار'' مع أنہ مخصوص بالمرفوع، وما ذکر فیہ من الموقوف فبطریق التبع والتطفل''

''مقطوع کو اثر کہا جاتا ہے اور کبھی اثر کا اطلاق مرفوع پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ ان دعاؤں کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں ''ادعیہ ماثورہ'' کہا جاتا ہے اور اِمام طحاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کا نام جو احادیثِ نبوی اور آثارِ صحابہ پر مشتمل ہے شرح معانی الاثار رکھا ہے اور امام سخاوی نے کہا کہ طبرانی کی ایک کتاب کا نام تہذیب الآثار ہے باوجود یہ کہ اس کتاب کو مرفوع حیث ہی کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے اور موقوف حدیث صرف ضمناً لائی ہیں۔''

تشریح

اثر کے لغوی معنٰی ''بقیۃ من الشئ'' کی شے کا باقی رہنے والا نشان۔

---

[1] نزھۃ النظر ص ۱۱۲.

اصطلاحی تعریف

اس میں دو قول ہیں۔⊙ اثر حدیث کے ہم معنی اور مترادف ہے یعنی دونوں کے اصطلاحی معنی اور مفہوم ایک ہی ہیں۔⊙ اثر وہ قول یا فعل ہے جو صحابی کرام علیہم رضوان یا تابعین علیہم الرضون کی طرف منسوب یا مضاف ہو۔

جمہور محدثین کے نزدیک مرفوع اور موقوف روایت کو اثر کہا جاتا ہے۔

امام طحاوی کی شرع معانی الاثار اور طبرانی کی تہذیب الاثار میں مرفوع احادیث بکثرت ہیں آثار صحابہ وتابعین علیہم رضوان کو ضمنا پیش کیا گیا۔

''مقدمہ''

"والخبر والحديث"في المشهور بمعنى واحد،وبعضهم خصوا الحديث بما جاء عن النبى صلى الله عليه وآله وسلم والصحابة والتابعين، و"الخبر"بما جاء عن أخبار الملوك والسّلاطين والايام الماضية وهذا يقال لمن يشتغل بالسنة "محدث" ولمن يشتغل بالتواريخ (اخبارى)

''خبر اور حدیث دونوں ایک ہی معنی میں مشہور ہیں لیکن بعضوں نے حدیث صرف اس کو کہا جو نبی ﷺ اور صحابہ وتابعین سے منقول ہو اور خبر اس کو جس میں بادشاہوں اور گزشتہ زمانوں کی خبریں ہوں اسی وجہ سے جو لوگ سنت میں مشغول ہوئے ان کو محدث اور جو لوگ خبر میں مشغول ہوئے ان کو اخباری کہا جاتا ہے۔''

غزالی زمان رازی دوراں علامہ احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لفظ خبر حدیث کے مترادف ہے لیکن بعض محدثین کے نزدیک حدیث انہیں اُمور کو کہا جاتا ہے جو رسول اللہ ﷺ صحابی اور تابعین سے منقول ہو اور خبر ان کے نزدیک گذشتہ زمانے

کے تاریخی حالات اور واقعات کو کہتے ہیں۔

فقیہ الہند علامہ مفتی شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ نزھۃ القاری میں لکھتے ہیں۔

خبر اور حدیث اصل میں مترادف ہیں مگر کچھ لوگ حضور اقدس ﷺ اور صحابی و تابعین کے اقوال و افعال ہی کو حدیث کہتے ہیں اور سلاطین امراء حکام اور گزشتہ زمانے کے احوال کو خبر کہتے ہیں۔[1]

"مقدمہ"

والرفع قديكون "صريحا" وقديكون "حكما" أمّا "صريحا" ففى القولى كقول الصحابى "سمعت" رسول الله ﷺ يقول كذا أو كقول أوقول غيره. قال رسول الله ﷺ اوعن رسول الله ﷺ أنه قال كذا" وفى "الفعلى" كقول الصحابى :"رأيت رسول الله ﷺ فعل كذا" أو"عن رسول الله ﷺ أنه فعل كذا" أوعن الصحابى أوغيره مرفوعاً او رفعه "أنه فعل كذا" وفى التقريرى أن يقول الصحابى، او غيره "فعل فلان" أواحد بحضرة النبى ﷺ كذا ولا يذكر إنكاره."

وأمّا "حكما" فكإخبارالصحابى الذى لم يخبر عن الكتب المتقدّمة مالا مجال فيه للاجتهاد عن الأحوال الماضية كأ خبار الانبياء عليهم الصلاة والسلام ، أو الآتية كالملاحم والفتن وأهوال يوم القية، اوعن ترتّب ثواب مخصوص، أوعقاب مخصوص على فعل فإنه لا سبيل إليه إلاالسماع عن النبى ﷺ اويفعل الصحابى مالا مجال للاجتهاد فيه، اويخبر الصحابى ب انهم كانوا يفعلون كذا فى زمان النبى ﷺ لا نه الظاهر

---

[1] نزهة القارى ص ٣٦.

اطلاعہﷺ علی ذلک ونزول الوحی به اویقولون: ومن السنّة کذا الا ان الظاهر أن السنة سنة رسول اللهﷺ وقال بعضهم .انه یحتمل سنة الصحابة وسنة الخلفاء الراشدین فان السنة یطلق علیه"

"رفع یعنی حدیث کا رسول اللہ ﷺ تک پہنچنا، کبھی تو صریحاً اور کبھی حکماً ہوتا ہے قولی میں صریحاً کی مثال جیسے کسی صحابی کا فرمانا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یوں فرماتے ہوئے سنا یا صحابی یا غیر صحابی کا فرمانا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا یا رسول اللہ سے مروی ہے کہ آپ نے اس طرح فرمایا اور فعلی میں صریحاً کی مثال جیسے صحابی کا یہ فرمانا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کرتے دیکھا یا اس طرح کیا یا کسی صحابی سے مرفوعاً روایت ہے یا اس کو مرفوع کیا ہے کہ آپ نے اس طرح کیا اور تقریری میں صریحاً مثال جیسے صحابی یا غیر صحابی کا فرمانا کہ فلاں شخص نے یا ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اس طرح کیا اور آپ کے انکار کا تذکرہ نہ کیا۔ اور حکماً کی مثال جیسے صحابی کا گزرے ہوئے حالات کے متعلق خبر دینا جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو اور وہ صحابی اگلی کتابوں کے متعلق بھی خبر رکھتے ہوں مثلاً انبیاء کی خبریں پیشن گوئی جنگیں اموال قیامت اور فتنوں کے متعلق یا کسی فعل پر خاص جزا وسزا کے مرتب ہونے کی خبر دینا کہ ان میں بجز اسکے کوئی صورت نہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوگا یا صحابی کوئی ایسا فعل کریں جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو یا صحابی خبر دیتے ہوں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس طرح کرتے تھے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوگی اس حال میں کہ وحی کے نازل ہونے کا سلسلہ قائم تھا یا صحابی فرماتے ہوں کہ سنت اس طرح پر ہے اور ظاہر ہے کہ سخت سے مراد سنت رسول اللہ ﷺ ہے

اور بعضوں نے کہا کہ سنت صحابہ اور سنت خلفاء راشدین کا بھی احتمال رکھتا ہے اس لیے کہ سنت کا اطلاق اس پر ہوتا ہے۔

تشریح:

حدیث مرفوع کا ذکر گزر چکا ہے۔

سنت: لغوی اعتبار سے سنت سے مراد طریقہ اور راستہ ہے خواہ اچھا ہو یا برا السنه فی اللغة الطریقة المعتادة محمودة کانت اولا. اس کی تشریح نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے ہو سکتی ہے۔

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها بعده من غیر ان ینقص من اجورهم شئی ومن فی الاسلام سنة شیئاً فعلیه وزرها اوزرمن عمل بها.

''جس شخص نے اسلام میں اچھی سنت قائم کی اسے اس کا اجر ملے گا اور اس کا اجر بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کوئی کمی ہو اور جو اسلام میں برا طریقہ رائج کرے گا اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور اس کا بوجھ بھی جو ان پر عمل کرے گا۔''[1]

اصطلاحاً سنت کا استعمال مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔

- حدیث کے مترادف استعمال ہوتا ہے۔
- کبھی سنت کی اصطلاح بدعت کے مقابلے میں بولی جاتی ہے۔
- فقہاء اسے اس امر کے لیے استعمال کرتے ہیں جو واجب نہ ہو۔
- کبھی اس بات کے لیے استعمال ہوتی ہے جس کی دلیل کتاب وسنت میں موجود ہے۔
- کبھی سنت کا اطلاق تعامل صحابہ پر بھی ہوتا ہے اس کی دلیل آپ ﷺ کے ارشادات میں ملتی ہے۔

---

[1] مسلم. كتاب الزكوة.

تفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقة کلها فی النار الاواحدة قالوومن هم یارسول اللهﷺ ؟ قال ما انا علیه واصحابی (ابن ماجه)

''میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی ایک کے سواسب آگ میں جائیں گے لوگوں نے کہاوہ کون ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ﷺ نے فرمایا وہ (جواتباع کریں گی اس کی) جس پر میں اور میرے صحابہ عمل پیرا ہیں۔''[1]

علیکم بستی وسنة الخلفاء الراشدین المهدین تمسکوا بهاوعضوا علیها بالنواجذ

''تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خفاء راشدین کی سنت کی پیروی لازم پراسے تھامے دبواور مضبوطی سے پکڑے رکھو۔''[2]

فصل:

السَّنَدطریق الحدیث ،وهرَرجاله الذین رووه، و"الاسناد" بمعناه وقدیجئی بمعنی ذکر السند،والحکایة عن طریق المتن والمتن ما انتهی الیه الاسناد.

فعل۔ سند طریق حدیث ہے یعنی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسے روایت کیا اسناد بھی اسی معنی میں ہے لیکن کبھی کبھی طریق متن کے بیان اور سند کے ذکر کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے اور متن وہ ہے جس پر سلسلہ اسناد ختم ہوتا ہے۔

سند:

لغت میں سند سے مراد زمین پر ابھری ہوئی جگہ یا پہاڑ کی اونچی جگہ لیا جاتا ہے اس سے مراد پناہ گاہ بھی آیا ہے عربی محاورہ ہے ''فلاں سند الغلان'' یعنی وہ شخص اس کام ملجاو معتمد ہے چونکہ متن گا اعتماد اور سہارا اسی پر ہوتا ہے اس لیے اسے سند کہتے ہیں ابن جماعۃ نے کہا سند اور اسناد دونوں کا استعمال ایک دوسرے کے مقام پر ہوتا ہے۔

---

[1] ابن ماجه. [2] ابوداود ابن ماجه.

علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نزھۃ النظر میں اس کی تعریف یوں کرتے ہیں الطریق الموصل الی المتنی یعنی متن تک پہنچنے کے طریق کو سند کہتے ہیں اصول حدیث میں سند بہت ہی اہمیت کی حامل ہے اس کی اہمیت کا اندازہ عبداللہ بن مبارک کے اس قول سے کیجئے وہ کہتے ہیں **الاسناد من الدین ولولا الاسناد و لقال من شاء ماشاء** اسناد دینی ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو جس کا جی چاہتا اور جو کچھ کہنا چاہتا کہتا۔ [1]

متن:

اس کے لغوی معنی۔ دور کرنا اور غالب ہونا ہے اور اصطلاحی معنی حافظ ابن حجر یوں بیان کرتے ہیں۔ **غاية ما ينتهي اليه الاسناد** میں اکلام:

''وہ غایت جہاں پر کلام کی اسناد ختم ہو جائیں۔''

اور علامہ طیبی علیہ الرحمۃ کے الفاظ یہ ہیں:

فمتن الحديث الفاظ التی تتقوم بها المعانی.

''حدیث کا متن وہ الفاظ ہیں جس کے ساتھ معانی قائم ہوتے ہیں۔'' [2]

مسلم شریف کی حدیث ہے:

حدثنا محمد بن المثنى وابن بشار قالاحديثنا محمد بن جعفر حدثناشعبة قال سمعت قتادة يحدث عن انس بن مالک قال قال رسول الله ﷺ لا يومن احد كم حتى اكون احب اليه من ولده و والده والناس اجمعين.

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ مین اس کے نزدیک اس کی اولاد اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔'' [3]

اس حدیث شریف میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ تک سند ہے اور باقی آگے کا حصہ اس کا متن ہے۔

---

① معرفة علوم الحديث ٦. ② الخلاصه فی حديث الرسول ص ٣٠. ③ مسلم شريف ج١ ص ٤٩.

مقدمہ

فان لم یسقط راوٍمن الرّواۃ من البین فالحدیث متصل " ویسمٰے عدم السقوط اتصالا اگر درمیان سے کوئی راوی ساقط نہ ہوا ہو تو حدیث متصل ہے اور عدم سقوط کا نام اتصال ہے۔ متصل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور یہ انقطع کی ضد ہے اس کو موصول بھی کہتے ہیں، علامہ نووی اس کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

ھوما القل اسنادہ مرفوعا کان اوموقوفاً علی من کان ویسمی الموصول.

""جس حدیث کی سند متصل ہو خواہ وہ حدیث مرفوع ہو یا کسی پر بھی موقوف ہو اس کو موصول بھی کہتے ہیں۔""[1]

حافظ عراقی فرماتے ہیں جب ان کی اسناد متصل ہوں تو انہیں مطلقاً متصل کا نام نہیں دیا جاسکتا ہاں قید کے ساتھ جائز ہے جو کہ علماء کے کلام میں موجود ہے جیسا کہ ان کا کہنا کہ یہ روایت سعید بن مسیب تک متصل ہے یا یہ امام زہری تک یا یہ امام مالک تک کہ متصل ہے اور باریک فرق یہ ہے کہ ان کا نام مقاطیع رکھا جاتا ہے اور ان پر متصل کا عام اطلاق کرنا ایسا ہے جیسا ایک چیز کے لغوی اعتبار سے دو متضاد وصوف بیان کیے جائیں۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ حدیث متصل کی دو قسمیں ہیں۔

⦿ متصل مرفوع: جو نبی پاک صاحب لولاک ﷺ تک متصل ہو۔

⦿ متصل موقوف: وہ سند جو صحابی تک متصل ہو جیسے مالک عن نافع عن ابن عمر متصل کا استعمال مقطوع پر نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں ہاں قید کے ساتھ مثلاً سعید بن مسیب اوالی الزھری اوالی مالک

مقدمہ

وان سقط واحد "او اکثر فالحدیث منقطع وھذا السقوط" انقطاع.

---

[1] التقریب النواوی مع تدریب حلد ۹ صفحہ ۱۸۳.

اور اگر ایک یا زیادہ راوی درمیان سے ساقط ہوں تو حدیث منقطع ہے اور اس سقوط کا نام انقطاع ہے۔

حدیث منقطع:

منقطع قطع سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی الگ شے کو دوسری سے الگ کرنا ہے اور انقطاع اتصال کی ضد ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے اختصار علوم الحدیث میں منقطع کے بارے میں یوں لکھا۔

الحدیث الذی سقط من اسنادہ رجل او ذکر فیہ رجل مبھم.

''منقطع وہ حدیث ہے جس کی سند سے کوئی راوی ساقط ہو یا اس میں کوئی مبہم راوی ذکر کیا گیا ہو۔''

حافظ ابن عبدالبر نے ''التھمید'' میں منقطع کی تعریف کرتے ہوئے لکھا۔

المنقطع کل ما لا یتصل سواء کان یھزی الی النبی ﷺ اوالی غیرہ

''منطقع ہر وہ روایت ہے جو غیر متصل ہو خواہ اس کا سلسلہ نبی ﷺ تک پہنچے یا کسی اور تک۔''[1]

علامہ نووی تقریب میں فرماتے ہیں۔

الصحیح الذی ذھب الیہ طوائف من الفقھا وغیرھم والخطیب وابن عبدالبر وغیرھما من المحدثین ان المنقطع مالم یتصل اسنادہ علی ای وجہ کانہ الانقطاع واکثر مایتعمل فی روایۃ من دون التابعی عن الصحابی کمالک عن ابن عمر.

صحیح مذہب وہی ہے جسے فقہاء کے بعض گروہوں نے اختیار کیا ہے اور خطیب اور ابن عبدالبر وغیرہ محدثین کی بھی رائے ہے منقطع وہ ہے جس کی سند متصل نہ ہو خواہ انقطاع کی کوئی بھی صورت ہو اس کا اکثر استعمال اس حدیث پر ہوتا ہے جس میں تابعی سے نیچے درجہ کا کوئی شخص صحابی سے روایت کرے مثلاً امام مالک کی حضرت ابن عمر سے روایت ہو۔

---

① التھمھید ۲۱/۱.

محمد بن عبداللہ نیشاپوری المعروف امام حاکم ہے۔ ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں لکھتے ہیں۔

وھو غیر المرسل وقل مایوجد فی الحفاظ ما یمیز بینھنما.

''منقطع مرسل سے مختلف ہے اور حفاظ حدیث میں ایسے لوگ کم پائے جاتے ہیں جو ان دونوں کے درمیان امتیاز کرتے ہیں۔''[1]

فقیہہ الہند علامہ شریف الحق امجدی رحمۃ تعالٰی علیہ نزھۃ القاری میں لکھتے ہیں وہ حدیث جس کے درمیان سند میں کچھ راوی چھوٹ گئے ہوں خواہ ایک خواہ متعدد مگر متعدد مسلسل نہ چھوٹے ہوں متفرق جگہوں سے چھوٹے ہوں تو اس حدیث کو منقطع کہتے ہیں اور یہ فعل انقطاع ہے۔[2]

حافظ ابن صلاح منقطع کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ومنھا ان المنقطع مثل المرسل وکلاھما شاملان لکل ما لا یتصل اسناد ووھذا المذھب اقرب صار الیہ طوائف من الفقھا وغیرھم وھو الذی ذکرہ الحافظ ابوبکر فی کفایۃ.

''منقطع مرسل کی طرح ہے اور دونوں لفظ ہر اس حدیث کے لیے استعمال ہوتے ہیں جس کی سند متصل نہیں یہی صحیح مذہب ہے جسے فقہاء کے بعض گروہوں نے استعمال کیا ہے اور حافظ ابوبکر خطیب نے الکفایہ میں بیان کیا ہے۔''[3]

امام حاکم فرماتے ہیں کہ منقطع کی معرفت گہری بصیرت کی متقاضی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو منقطع کے سلسلے میں ہمارے بیان پر غور کرے گا اسے یقینی علم ہوگا کہ یہ ایک ایسا دقیق علم ہے جسے صرف وہی حاصل کرسکتا ہے جسے اللہ تعالٰی نے توفیق عطا کی ہو اور سیکھنے کی طلب رکھتا ہو۔[4]

حافظ ابنِ حجر رضی اللہ عنہ کی تعریف بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

(راوی کا سقوط کبھی اس قدر واضح ہوتا ہے۔ کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور کبھی ایسا پوشیدہ ہوتا

---

① معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۷. ② نزھۃ القاری جلد ۱ ص ۳۹.

③ مقدمہ ابن صلاح النوع العاشر مقدمہ المنقطع ص ۳۶. ④ معرفتہ علوم الحدیث ص ۲۹.

ہے کہ اس کا علم صرف ان حفاظ حدیث ہی کو ہوسکتا ہے جو طرق حدیث اور اسانید وعلل سے خوب واقف ہیں واضح سقوط کا ادراک راوی اور مروی عنہ کی عدم ملاقات کی معرفت پر ہے مثلاً راوی مروی عنہ کا معاصر نہ ہو اور اگر معاصر ہو تو دونوں میں ملاقات ثابت نہ ہو اور اسے اجازت ووجادت حاصل نہ ہو ان اُمور کا تعلق تاریخ سے ہے، بلا شبہ راویوں کی پیدائش وفات تحصیل علم کا زمانہ طلبِ حدیث کے لیے مختلف سفر وغیرہ کا تذکرہ کتب تاریخ ہی میں ہوتا ہے اس لیے محدثین کے نزدیک علم تاریخ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس علم کے ذریعے کئی رواۃ کے روایت عن الشیوخ کے دعوے غلط ثابت ہو چکے ہیں۔[1]

حدثنا شجاع بن مخلد حدثنا هيشم اخبرنا يونس بن عبيد عن الحسن ان عمر الخطاب جمع الناس على ابى بن كعب فكان يعلى لهم عشرين ليلة ولا يقعت بهم الا فى النصف الباقى فازا كانت الفتر الاواخر تخلف فصلى فى بينه فكانوا يقولون ابق البىءِ.

''شجاع بن مخلد ہیشم سے بیان کرتے ہیں کہ یونس بن عبید نے حسن سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ عمر بن خطاب نے لوگوں کو ابن بن کعب کی امامت پر جمع کیا وہ لوگوں کو وہیں راتوں کی نماز پڑھاتے رہے اور قنوت صرف آخری نصف میں کرتے جب آخری عشرہ آیا تو گھر پہ نماز پڑھی لوگ کہتے تھے کہ ابی چلے گئے۔''[2]

(یہ منقطع اسناد ہے کیونکہ حسن بصری ۲۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور عمر رضی اللہ عنہ نے ۲۳ ہجری کو وصال فرمایا۔)

مقدمہ

والسقوط اما ان يكون من اول السند ويسمى معلقا وهذا الاسقاط تعليقا والساقط قد يكون واحداً وقد يكون اكثر وقد

---

① نزهة النظر صفحه ۸۱. ② مشكوة كتاب الصلوة باب القنوت الفصل الثالث ص ۱۱۴.

یحذف تمام السند کما ھو عادۃ المصنفین یقولون قال رسول اللہ ﷺ والتعلیقات کثیرۃ فی تراجم صحیح البخاری لھا حکم الاتصال لانہ الترم فے ھذا الکتاب ان لایاتی الا بالصحیح ولکھنا لیست فی مرتبۃ مسانیدہ الا مازکر منھا مسند افی موضع آخر من کتابہ وتدیعرف فیھا بان ما ذکر ابصیغۃ الجزم والمعلوم کقولہ قال فلان اوذکر فلان دل ملی ثبوت اسنادہ عندہ فھو صحیح قطعا وما ذکرہ بصیغۃ وما ذکرہ بصیغۃ التمریض والمجھول کقیل ویقال وذکر ففی صحتہ . عندہ کلام ولکنہ لما اور دہ فی ھذا الکتاب کان لہ اصل ثابت ولھذا قالو اتعلیقات البخاری متصلۃ صحیحۃ

''اگر یہ سقوط ابتدائے مذکر سند سے ہوتو اسے معلق کہتے ہیں اور اسی اسقاط کو تعلیق کہتے ہیں اور ساقط ہونے والا کبھی ایک یا ایک سے زیادہ ہوتا ہے اور کبھی پوری سند حذف کر دیتے ہیں جیسا کہ مصنفین کی عادت ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے'' تراجم صحیح بخاری میں تعلیقات بہت زیادہ ہیں لیکن یہ تعلقات اتصال کے حکم میں ہیں اس لیے کہ انہوں نے صحیح حدیثوں کے ہی لانے کا التزام کیا ہے تعلیقات کے سوا جن کی سند اپنی کتاب میں دوسری جگہ بیان ہیں یہ تعلیقات ان کے مسانید کے درجے کی نہیں ہیں لیکن یہ تعلیقات بجز ان کے جن کی سند اپنی کتاب میں دوسری جگہ بیان کردی ہیں مسانید کے رتبہ کی نہیں ہیں اور بعضوں نے اس میں فرق کیا ہے کہ جس کو جزم اور یقین کے صیغہ کے ساتھ بیان کیا ہے اور وہ دلالت کرتا ہو اس بات پر کہ اس کی مسند امام بخاری کے نزدیک ثابت ہے تو وہ قطعاً صحیح ہے جیسے امام بخاری کا فرمانا کہ فلاں نے کہا یا فلاں نے ذکر کیا اور اگر صیغہ مجہول کے ساتھ بیان کیا ہو

مثلاً کہا گیا ہے یا کہا جاتا ہے یا ذکر کیا گیا ہے۔'' تو اس کی صحت میں ان کو نزدیک کلام ہے لیکن جب اسے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے تو اس کی اصل انکے نزدیک ثابت ہے اسی وجہ سے محدثین نے فرمایا کہ بخاری کی تعلیقات متصل اور صحیح ہیں۔''

حدیث معلق:

تعلیق کے لغوی معنی کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ لٹکانا ہے اور حدیث معلق چونکہ زیادہ تر عالی جہت سے متصل اور سافل جہت سے منقطع ہوتی ہے تو یہ اس چیز کی طرح ہوگئی جو لٹکی ہوئی ہو۔

حدیث معلق کی چند صورتیں:

⊙ پوری سند کو ساقط کر دیا جائے اور کہا جائے قال رسول اللہ ﷺ کذا۔

⊙ صحابی یا صحابی و تابعی کے سوا باقی سند کو ساقط کر دیا جائے تو معلق ہے۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

اذا كان السقط من مبادی السند من تصرف المصف فهو المطلق.

''جب مصنف کے تصرف سے سند کے اول سے راوی ساقط کر دیا جائے تو وہ معلق ہے۔''[1]

عثمان بن عبدالرحمٰن ابن العلاح تعلیق کے متعلق یوں لکھتے ہیں۔

ان لفظ التعليق وجدته مستعملا فيما حذف منی مبتداء اسناده واحد او اكثر حتی ان بعضهم استعمله فی حذف كل الاسناد.

''میں نے تعلیق کے لفظ کو ان احادیث کے لیے مستعمل پایا جن کے ابتداء اسناد میں ایک یا زیادہ راوی محذوف یوں حتی کہ بعض نے پوری اسناد کے محذوف ہونے پر اس کا اطلاق کیا ہے۔''[2]

---

① نخبة الفكر ص ٤٧. ② مقدمه ابی الصلاح ص ٦٩.

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ ''نزھۃ النظر'' میں لکھتے ہیں۔

حدیث معلق کو مردود کی اقسام میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ جس راوی کو حذف کیا گیا ہے اس کا حال معلوم نہیں ہے اور اگر اس راوی کا کسی اور سند میں مذکور ہونا معلوم ہو جائے (اور وہ ثقہ ہو) تو اس حدیث پر صحت کا حکم لگایا جاتا ہے اور اگر مصنف یہ کہے کہ میں نے جن تمام راویوں کو حذف کیا ہے وہ تمام ثقہ ہیں تو یہ تعدیل علی الابہام ہے اور جمہور کے نزدیک یہ حدیث اس وقت تک (احکام میں) مقبول نہیں ہوگی جب تک کہ اس راوی کا ذکر نہ کیا جائے۔ ①

لیکن حافظ ابن الصلاح نے یہ کہا ہے کہ اگر وہ (راوی) کسی ایسی کتاب میں محذوف ہو جس کے مصنف نے صحت کا التزام کیا ہو جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام مسلم رحمہ اللہ تو اس حدیث کو مصنف جب جزم کے ساتھ ذکر کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند اس کے نزدیک ثابت ہے۔

اور اس نے کسی غرض (مثلاً اختصار یا تکرار سے بچنے کے لیے) کی وجہ سے سند کو حذف کر دیا ہے اور جس حدیث کو بغیر جزم کے ذکر کیا یہ تو اس میں بحث کی گنجائش ہے۔ (نزھۃ النظر)

عثمان بن عبد احمان ابن الصلاح معلق احادیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔

واغلب ما وقع ذلک فی کتاب البخاری و هو فی کتاب مسلم قلیل جدا.

اور معلق کی غالب تعداد بخاری کی کتاب میں ہے اور مسلم کی کتاب میں بہت قلیل ہے۔ ②

حافظ ابن الصلاح معلق حدیث کے بارے میں مزید گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

وینبقی ان نقول ما کان من ذالک ونحو بلفظ فیه جزم وحکم به علی من علقه عن ضحکم بصحت عنه مثال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کذا او کذا قال ابن عباس کذا قال مجاهد کذا قال عفان کذا قال القبضی کذا روی ابوهریره کذا او کذا ومامشبه ذلک من

---

① نزهة الناظر ص ٤٧. ② مقدمه ابن الصلاح ص ٢٤.

العبارات فکل ذلک حکم منه علی من ذکره عنه بانه قد قال ذلک ورواه فلن یجز اطلاق ذلک الااذا صح عنده ذلک عنه...... واما مالم لکن فی لفظه جزم وحکم مثل روی عن.

''مناسبہ ہے کہ ہم یہ کہیں کہ معلق وغیرہ میں سے جو حدیث بالفظ جزم بیان کی گئی ہو اور جس سے تعلیق کی گئی ہو اس کا حوالہ ہو اس کی صحت کا حکم لگایا جائے گا جیسے رسول اللہ ﷺ نے ایسا کہا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا کہا۔ مجاہد نے اس طرح کہا۔ عفان رضی اللہ عنہ نے یہ کہا قضی نے ایسا کہا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس طرح کہا یہ اور اس جیسی عبارتیں بیان کرنے والے کی طرف جس کی وہ روایت بیان کر رہا ہے فیصلہ کن ہیں اس کے مشابہ عبارتیں وہ ہیں جن پر مصنف کی طرف سے اطلاق ہے کہ فلاں شخص سے مذکور روایت ہے اور اسی نے اس طرح کہا اور روایت کیا ہے ایسا اطلاق ہرگز جائز نہیں اگر اس سے یہ روایت صحیح نہ ہو۔''

رسول الله کذا وکذا اوروی عن فلان کذا او فی الباب عفی النبی ﷺ کذا وکذا فهذا وما تشبه من الفاظ لیس فی شئی منه حکم منه بصحة ذلک عن ذکر ه عنه بغلان مثل هذا. العبارات تسعمل فی الحدیث الضعیف ایضاً ومع ذلک فایر اده له فی اثناء الصحیح مشعر بصحة رضله اشعارا یونس یه ویرعن الیه

''لیکن جس میں یقین اور حکم کی بات نہ ہو جیسے رسول اللہ ﷺ سے ایسے مروی ہے فلاں شخص سے اس طرح مروی ہے یا اس باب میں نبی ﷺ سے ایسے ایسے مروی ہے یہ اور اس سے مشابہ وہ الفاظ ہیں جن کے بارے میں صحت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ اس طرح کی عبارات حدیث ضعیف کے لیے بھی استعمال ہوتی ہیں اس کے باوجود صحیح کے درمیان اس کا وارد کرنا اسکی صحت کی علامت ہے اس علامت جس کی طرف میلان ہوتا ہے اور جس پر

اعتماد کیا جاتا ہے۔"[1]

فقیہ الہند علامہ مفتی محمد شریف الحق مجددی دامت برکاتہم العالیہ شہرہ آفاقہ کتاب نزہۃ النظر میں معلقات بخاری کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

امام بخاری کے ابواب میں تعلیقات بکثرت ہیں۔ یہ حدیث متصل کے حکم میں ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے اس کا التزام کیا ہے کہ اس کتاب میں صرف حدیث صحیحہ ذکر کریں گے لیکن یہ ان کی احادیث مسندہ کے حکم میں نہیں بعض تعلیقات کو انہوں نے اس کتاب میں دوسری جگہ مسند ذکر دی ہیں وہ بہر حال اس احادیث مسندہ کے مرتبے میں ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ جن تعلیقات کو جزم ویقین کے کلمات کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ اکثر صحیح ہیں مثلاً یہ ذکر کیا کہ فلاں نے کہاں اور جنہیں شک وضعف کے کلمات سے ذکر کیا مثلاً یوں بیان کیا گیا، روایت کیا گیا ان کی صحت میں کلام ہے اگر چہ بعض ان میں بھی صحیح ہیں۔ بایں ہمہ جب انہوں نے اپنی صحیح میں ذکر فرمایا تو وہ بالکل بے اصل بھی نہیں مانی جائیں گی۔ ضرور انکے علم میں ان کی کچھ اصل ہوگی۔

تفصیل یہ ہے کہ امام بخاری کی تعلیقات کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔

❁ وہ تعلیقات جنہیں خود امام بخاری نے اپنی کتاب میں کسی جگہ سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے خواہ انہیں صیغہ جزم کے ساتھ ذکر کیا ہو خواہ صیغہ تمریض کے ساتھ صیغہ جزم کی بکثرت مثالیں ہیں صیغہ تمریض کی مثال یہ ہے کتاب الطب میں ہے **باب الرقی بفاتحۃ الکتاب ویذکر عن ابن عباس عن النبی ﷺ**

❁ وہ تعلیقات جنہیں امام بخاری نے اپنی کتاب میں کہیں سند متصل کے ساتھ نہیں ذکر کیا۔ اوراسے صیغہ جزم کے ساتھ ذکر کیا۔ مگر وہ کسی اور محدث کی شرط پر صحیح ہے جیسے:

وقالت عائشۃ رضی اللہ عنہا کان النبی ﷺ یذکر اللہ علیٰ کل احیانہ. یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

❁ ایسی تعلیق جو بھز بن حکیم **عن ابیہ عن جدہ اللہ احق ان یستحی منہ من الناس** حسن ہو۔ جیسے قال کتاب اطہارت۔

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۵ ـ ۲۴.

❁ ایسی تعلیق جوضعیف ہو جیسے قال طائوس قال معاذ بن جبل لا هل اليمن ايتونى بعرض ثبات خميص اولبيس فى الصدقه مكان الشعير والذرة اهون عليكم وخير لاصحاب النبه صلى الله تعالىٰ عليه وشله وسلم بالمدينة .

❁ اس تعلیق کی سند طاؤس تک صحیح اور متصل ہے۔مگر طاؤس کا حضرت معاذ سے سماع ثابت نہیں اس لیے معمولی ضعف کے ساتھ ضعیف ہے۔

❁ وہ تعلیقات جنہیں صیغہ تمریض سے ذکر کیا گیا۔مگر وہ کسی اور محدث کی شرط پر صحیح ہیں۔جیسے یہ تعلیق و يذكر عن عبدالله بن السائب قراء النبی ﷺ المومنون فی الصبح حتّٰی اذا جاء ذكر موسیٰ و هارون اوا ذكر عيسى اخذته سلعة. اس تعلیق کو امام مسلم نے صحیح میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

❁ ایسی تعلیق جو حسن ہو جیسے ويذكر عن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال اذا بعت وفكل واذا اتبعت فاكتا۔اسے دارالطقنی اور ابن ماجہ اور بزار نے روایت کیا اور حسن ہے۔

❁ ایسی تعلیق جو معمولی ضعف سے ضعیف ہو مگر معمول بہ ہو جیسے ويذكر عن النبی ﷺ انه قضى الدين قبل الوصية .

❁ کتاب الوصایا اسے امام ترمذی نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔مگر اس کا ایک راوی ضعیف ہے مگر اہل علم کے عمل سے قوی ہوگئی۔

❁ ایسی تعلیق جو ضعف شدید کے ساتھ ضعیف ہو اور معمول بہا ہو۔جیسے یہ تعلیق ويذكر عن ابى هريرة رضی اللہ عنہ رفعه لايتطوع الامام فى مكانه.

کتاب الصلوۃ اسے ابوداؤد نے اپنی سنن میں وایت کیا مگر اس میں دوہرا صعف ہے اس کا ایک راوی لیث ہے یہ ضعیف ہے اور اس کے شیخ الشیخ مجہول ہیں۔مگر اس پر بھی اہلِ علم کا عمل ہے اس لیے یہ بھی قوی ہوگئی حکم یہ ہے کہ امام وہیں نفل نہ پڑھے جہاں فرض پڑھا بہتر یہ ہے کہ گھر آ کے پڑھے اگر مسجد میں پڑھنا چاہتا ہے تو دائیں بائیں ہٹ کر پڑھے۔[1]

---

[1] مقدمة نزهة القارى شرح بخارى جلد ١ ص ٣٦ تا ٣٩.

مقدمہ

وان كان السقوط آخرالسند، فان كان بعد التابعى فالحديث مرسل وهذا الفعل ارسال كقول التابعى قال رسول اللهﷺ وقد يجئى عند المحدثين المرسل والمنقطع بمعنى،والاصطلاح الاول اشهر،وحكم المرسل : التَّوقف عند جمهور العلماء، لانَّه لايدرى انَّ السَّاقط ثقة اولا، لانَّ التابعيقد يروى عن التابعى، وفى التابعين ثقات وغير ثقات، وعند أبى حنفية ومالك رحمهما الله تعالىٰ المرسَل مقبول مطلقاً وهم يقولون : اِنَّما أرسله لكمال الوثوق والاعتماد لأنَّ الكلام فى الثقة ولو لم يكن عنده صخيحاً لم ير سله ولم يقل: قال رسول اللهﷺ وعندالشافعى رحمة الله تعالىٰ :ان اعتضدبوجه آخرمرسل أو مسند وإن كان ضعيفاً قبل وعن أحمد قولان.وهذا كلّه اذا علم ان عادة ذلک التابعى اِن لايرسل الا عن الثقات وان كانت عادته أن يرسل عن الثقات وعن غير الثقات فحكمه التوقف بالاتفاق كذا قيل وفيه تفصيل أزيد من ذلک ذكره السخاوى فى شرح الالفية.

''اگر سقوط آخر سند سے ہو اور تابعی کے بعد ہو تو وہ حدیث مرسل ہے اور اس فعل کا نام ارسال ہے جیسے کسی تابعی کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا محدثین کے نزدیک مرسل اور منقطع کبھی ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتا ہے لیکن پہلی اصطلاح زیادہ مشہور ہے جمہور علماء کے نزدیک مرسل کا حکم توقف ہے اِس لیے کہ معلوم نہیں کہ ساقط ہونے والے ثقہ میں یا نہیں چونکہ تابعی کبھی تابعی سے روایت کرتے ہیں اور تابعین میں ثقہ اور غیر ثقہ دونوں ہیں امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مرسل مطلقا مقبول ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اِرسال

کرنے والے نے کمال وثوق اور اعتماد کی بنا پر ارسال کیا ہوگا اور اعتراض جو کچھ ہوسکتا ہے وہ ثقاہت کی بنا پر ہوسکتا ہے اگر ان کے نزدیک صحیح اور ثقہ نہ ہوتا تو ارسال نہ کرتے اور یہ نہ کہتے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ امام شافعی کے نزدیک اس کی تائید کسی دوسرے ذریعے سے ہوجائے خواہ وہ مرسل ہو یا سند ضعیف درجہ کا بھی ہوتو مقبول ہے اور امام احمد کے اس کے متعلق دوقول منقول ہیں۔"

یہ تمام اختلافات اس صورت میں ہیں جب یہ معلوم ہو کہ تابعی کی عادت ہے کہ وہ اثقات وغیر متقات ہی کو ساقط کرتے ہیں اور اگر ثقات دونوں کو کرتے ہیں تو اس کا حکم سب کے نزدیک توقف ہے اس میں بہت تفصیلات ہیں جن کو سخاوی نے شرح الفیہ میں بیان کیا ہے۔

تشریح:

حافظ ابنِ حجر نے چونکہ ضعیف کی جگہ مردود کی اصطلاح استعمال کی ہے اس لیے وہ اس کی حیثیت کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وانما فکر فی قسم المردود للجھل بحال المحنوف لا نه یحتمل ان یکون صحابیا ویحتمل ان یکون تابعیا' وعلی الثانی یحتمل ان یکون ضعیفا . ویحتمل ان یکون ثقه وعلی الثانی یحتمل ان یکون حمل عن صحابی ویحتمل ان یکون حملعن تابعی آخر وعلی الثانی فیعود الا حتمال المسابق ویتعدد اما بتجویز العقلی فالی مالا نها یة له. وما بالا ستقراء فالی ستة اوسبعة وھو اکثر ما وجد من روایة بعض التابعین عن بعض.

"مرسل کو مردود کی اقسام میں اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں محذوف راوی نامعلوم ہوتا ہے۔ اس میں یہ احتمال موجود ہوتا ہے کہ محذوف راوی صحابی ہو یا تابعی اور تابعی ہونے کی صورت میں یہ احتمال موجود ہے کہ وہ ضعیف ہو یا ثقہ۔ پھر اگر ثقہ ہے تو یہ احتمال رہتا ہے کہ اس نے یہ حدیث صحابی سے سنی ہے یا

تابعی سے اور پھر تابعی ثقہ ہے۔ یا ضعیف علی ھذا القیاس یہ سلسلہ عقلی لحاظ سے تو غیر متناہی ہو سکتا ہے اور بالحاظ متتبع چھ سات سلسلوں تک چلا جاتا ہے کیونکہ بعض تابعین کا بعض سے روایت کا سلسلہ غالب چھ سات سلسلوں تک ہی پایا جاتا ہے۔"[1]

علامہ جلال الدین سیوطی حدیث مرسل کے بارے میں تہذیب الراوی میں لکھتے ہیں۔
"بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ جو حدیث قرونِ ثلثہ کی مرسل ہو وہ فقہاء احناف کے نزدیک مقبول ہے ورنہ نہیں کیونکہ حدیث میں ہے۔ پھر کذب عام ہو جائے گا۔ اس حدیث کو امام نسائی نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام ابن جریر نے یہ کہا ہے کہ تمام تابعین کا اس پر اجماع ہے کہ حدیث مرسل مقبول ہوتی ہے اور ان میں سے کسی کا اس سے انکار منقول نہیں ہے۔ اور ان کے بعد دو سال تک آئمہ میں سے کسی کا انکار منقول نہیں ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے یہ کہا کہ امام شافعی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے حدیث مرسل کو مسترد کیا ہے اور بعض آئمہ نے تو حدیث مرسل کو مسند (متصل) پہ بھی ترجیح دی ہے۔

انہوں نے کہا جب کوئی راوی پوری حدیث بیان کر دیتا ہے تو وہ اس کی تحقیق کو تم پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور جب وہ حدیث کے کسی راوی کو چھوڑ دیتا ہے تو یہ اس کی صحت اور ثقاہت کا ضامن ہو جاتا ہے۔ (یعنی اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے اس کا میں ضامن ہوں اور سند میں باقی جو راوی میں نے ذکر کیے ہیں ان کی چھان بین تم خود کر لو)۔[2]

آگے چل کر علامہ سیوطی مزید رقم طراز ہوتے ہیں۔

امام حاکم نے علوم الحدیث میں لکھا ہے کہ اہلِ مدینہ سعید بن مسیّب سے مراسیل کی روایت کرتے ہیں اور اہلِ مکہ عطا بن ابی رباح سے مراسیل کی روایت کرتے ہیں اور اہلِ بصرہ حسن بصری سے اور اہلِ کوفہ ابراہیم بن یزید نخعی سے اور اہلِ مصر سعید (بن ابی ہلال سے اور اہلِ شام مکحول سے۔

ان میں سے زیادہ صحیح مراسیل ابن المسیب کی ہیں ابن معین نے بھی یہی کہا ہے کیونکہ وہ

---

① نزهة النظر ص ٧٩.　② تدريب الراوی جلد ١ ص ١٩٨.

اولاً صحابہ میں سے ہیں اور انہوں نے عشرہ مبشرہ کو پایا ہے اور وہ اہلِ حجاز کے فقیہ اور مفتی تھے اور وہ ان سات فقہاء میں سب سے پہلے ہیں جن کے اجماع کو امام مالک نے تمام لوگوں کا اجماع قرار دیا ہے۔ آئمہ متقدمین نے سعید بن میبّ کی مراسیل کی چھان بین کی تو ان سب کی سند صحیح تھی اور دوسروں کی مراسیل میں یہ شرائط نہیں پائی جاتیں۔ کتاب اور سنت میں حدیث مرسل کی عدم حجیت پر دلیل نہیں ہے۔

امام و حاکم نے صرف ابن میبّ کی مرسلات سے بحث کی ہے ہم باقی مرسلات پر بھی گفتگو کرتے ہیں۔ عطاء بن ابی رباح کی مرسلات کے متعلق ابن مدینی نے کہا ہے کہ عطاء ہر قسم کی روایات لے لیتے ہیں اور مجاہد کی مرسلات میرے نزدیک ان سے کئی درجہ بہتر ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ سعید بن میبّ کی مرسلات سب سے بہتر ہیں اور ابراہیم نخعی کی مرسلات میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور حسن بصری اور عطا بن ابی رباع کی مرسلات سب سے زیادہ ضعیف ہیں کیونکہ وہ ہر ایک سے روایات لے لیتے ہیں اور وہ ابن مدینی نے کہا ہے کہ حسن بصری کی مرسلات جو ثقات سے مروی ہیں وہ صحیح ہیں۔ ان میں سے بہت کم کوئی روایت ساقط کی گئی ہے، امام ابوزرعہ نے کہا۔ ہر جس روایت میں حسن بصری نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مجھے اس کی کسی نہ کسی اصل کا ثبوت مل گیا ماسواء۔ چار روایتوں کے۔ اور یحییٰ بن سعید قطان نے کہا ایک دو حدیثوں کے سوا جس حدیث میں حسن بصری نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کی مجھے اصل مل گئی۔

شیخ الاسلام نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جس حدیث کے متعلق حسن نے صیغہ جزم استعمال کیا ہو۔ ایک شخص نے حسن سے کہا۔ آپ ہم سے حدیث بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کاش آپ ہمیں درمیان کے راوی بیان کر کے حدیث کو متصل بیان کر دیا کریں؟ حسن نے کہا ہم جھوٹ بولتے ہیں اور نہ ہم سے کوئی جھوٹ بولتا ہے ہم نے خراسان میں جہاد کیا اور ہمارے ساتھ سیدنا محمد ﷺ کے تین سو اصحاب تھے اور یونس بن عبید نے حسن سے کہا آپ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حالانکہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں پایا؟ حسن نے کہا اے بھتیجے تم کو معلوم ہے کہ یہ کون سا زمانہ ہے یہ حجاج کا زمانہ تھا) ہر وہ

حدیث جس میں تم نے مجھ سے سنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ حدیث دراصل حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، لیکن میں اس دور میں ہوں جس میں حضرت علی کا نام لینے کی ہمت نہیں کرتا۔ اور محمد بن سعید نے کہا حسن کی ہر سند (جس میں راوی سے سماع کی تصریح ہو) حجت ہے۔ اور مرسل حدیث حجت نہیں ہے۔

ابراہیم نخعی کی مراسیل کے متعلق ابن معین نے کہا ان کی مراسیل مجھے شعبہ سے زیادہ پسند ہیں۔ اور ابن معین نے یہ بھی کہا کہ ابراہیم کی مراسیل مجھے سالم بن عبداللہ قاسم اور سعید بن مسیّب سے زیادہ پسند ہیں۔ امام احمد نے کہا ان میں کوئی حرج نہیں۔ اعمش نے کہا میں نے ابراہیم سے کہا مجھے حضرت ابن مسعود سے روایت کی سند بیان کریں تو انہوں نے کہا جب میں تم سے یہ کہوں کہ فلاں شخص حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتا ہے تو وہ صرف میں نے ان سے خود سنی ہوتی ہے اور جب میں تم سے کہوں حضرت عبداللہ نے رمایا ہے تو اس کا مطلب ہے اس حدیث کو بہت سے لوگوں نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے۔[1]

علامہ سیوطی مراسیل صحابہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

یہ تمام بحث مرسل صحابی کے غیر میں ہے۔ لیکن جو حدیث مرسل صحابی ہے مثلاً صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے کسی ایسے قول یا فعل کی خبر دی ہے جس کے بارے میں یہ تحقیق ہو چکا ہے کہ وہ صحابی اپنے صغر سن یا تاخر اسلام کی وجہ سے اس وقت حاضر نہیں تھا تب بھی مذہب صحیح کی بناء پر اس حدیث کی صحت کا حکم لگایا جائے گا اس پر تمام آئمہ اور محدثین کا قطعی اتفاق ہے خصوصاً اِن کا جو حدیث مرسل کو قبول نہیں کرتے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایسی بہ کثرت احادیث ہیں کیونکہ وہ صحابہ دوسرے صحابہ سے روایت کرتے ہیں اور تمام صحابہ عادل ہیں۔ اور ایسا بہت کم ہے کہ انہوں نے غیر صحابی سے روایت کی ہو۔ اور جب وہ غیر صحابی سے روایت کرتے ہیں تو اس کا بیان کر دیتے ہیں۔ اور صحابہ نے جو تابعین سے احادیث روایت کی ہیں تو وہ ان کا بیان کر دیتے ہیں اور وہ احادیث مرفوعہ نہیں ہیں بلکہ اسرائیلیات یا حکایات ہیں یا موقوف ہیں۔[2]

---

① تدریب الراوی جلد ۱ ص ۲۰۵-۲۰۳۔ ② تدریب الراوی جلد ۱ ص ۲۰۷۔

حدیث مرسل کے مقبول ہونے کے بارے میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ لکھتے ہیں۔

امام ابن جریر نے یہ تصریح کی ہے کہ حدیث مرسل کے قبول کرنے پر تمام تابعین کا اجماع ہے اور کسی تابعی سے اس کا انکار منقول نہیں ہے۔ اور نہ اس کے بعد دو سو سال تک آئمہ میں سے کسی نے اس کا انکار کیا اور یہی وہی قرون فاضلہ ہیں جن کے خیر پر برقرار رہنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے اور بعض علماء نے تو حدیث مرسل کو حدیث مسند (جس کی پوری سند مذکور ہو) پر ترجیح دی ہے اور اس کی یہ دلیل دی ہے کہ جس شخص نے پوری سند ذکر کردی اس نے اس کی تحقیق تمہارے حوالے کردی اور جس نے حدیث مرسل ذکر کی وہ اس چھوڑے ہوئے راوی کی تحقیق کا خود ضامن ہوگیا۔ [1]

صدر الشریعہ علامہ سعید الدین تفتازانی رحمۃ اللہ مرسل کے حجت ہونےپر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

ان العادة جارية بان الامر انا كان واضحا للناقل جزم بنقله من غير اسناد. وانا لم يكن واضحا نسبه الى الغير ليحمل الناقل ذلك الغير الشئى الذى حمله هواى الناقل . فالمرسل يدل على انه واضح للنا قل بخلاف المسند. (٢١٦)

"رائج عادت یہ ہے کہ نقل کرنے والے کے لیے جب معاملہ واضح ہو تو وہ بغیر سند کے پورے وثوق کے ساتھ اسے نقل کرتا ہے لیکن جب معاملہ پوری طرح اس پر واضح نہیں ہوتا تو وہ اسے دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے تاکہ اسے نقل کرنے کی ذمہ داری میں اپنے ساتھ شریک کرے۔ مرسل روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نقل کرنے والے پر معاملہ پوری طرح واضح ہے بخلاف مسند حدیث کے کہ اس میں ایسا نہیں۔"

مزید آگے لکھتے ہیں۔

الا يرى انه اذا قال اخبرنى ثقة يقبل كانه يشير الى ان الشافعى

---

[1] شرح شرح بخية الفكر ص ١١٢.

كثيرا مايقول اخبر نى ثقة وحدثنى مالا اتهم الا ان مواده بالثقة ابراهيم بن اسماعيل وبمن لايتهم يحيىٰ بن حسان وذلك مشهور معلوم.

''تم دیکھتے نہیں کہ جب وہ کہے اخبرنی ثقہ تو ایسی روایت قبول کی جاتی ہے گویا ان کا اشارہ امام شافعی کی طرف ہے جو اکثر کہتے ہیں "اخبرنى ثقه" یا حدثنى مالا اتهم" یہ الگ بات کہ ثقہ سے ان کی مراد ابراہیم بن اسماعیل ہیں اور''من الا انتهم" سے مراد یحیی بن حسان ہیں اور یہ بات مشہور و معروف ہے۔''

مقدمہ

وإن كان السقوط من أثناء الاسناد فإن كان الساقط اثنين متوالياً يسمى مُعضلاً بفتح الضاد وإن كان واحداً أوأكثر من غير موضع واحد يُسمَّى، منقطعاً وعلىٰ هذا يكون المنقطع قسما من غير المتصل وقد يطلق المنقطع بمعنى غير المتصل مطلقاً شاملا لجميع الاقسام وبهذا المعنى يجعل مقسماً.ويعرف الا نقطاع وسقوط الراوى بمعرفة عدم والملاقاة بين الراوى والمروى عنه، اما بعدم المعاصرة اوعدم الاجتماع والا جازة عنه بحكم علم التاريخ المبين المواليد الرواة ووفياتهم وتعيين اوقات طلبهم وارتحالهم ، وبهذا صار علم التاريخ اصلاو عمدة عندالمحدثين.

''اگر سقوط درمیان سند سے ہو اور پے در پے دو آدمی درمیان سے ساقط ہوں تو وہ حدیث معضل (بفتح الضاد)! اگر صرف ایک راوی ساقط ہو یا ایک سے زیادہ راوی ساقط ہوں لیکن مختلف جگہوں سے ہوں تو اسے منقطع کہتے ہیں اس بناء پر حدیث منقطع غیر متصل کی ایک قسم ہو جائے گی اور کبھی منقطع مطلقاً غیر متصل

کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے جو تمام اقسام کو شامل ہے اس لحاظ سے یہ مقسم قرار پاجائے گا۔ انقطاع اور سقوط راوی کو علم راوی اور مروی عنہ کے درمیان عدم ملاقات سے ہوتا ہے اور عدم ملاقات یا تو عدم معاصرت اور عدم اجتماع کے سبب سے ہوگی یا اس سبب سے کہ روایت حدیث کی اجازت نہ ملی ہو اور یہ چیزیں اور راویوں کی تاریخ پیدائش۔ تاریخ وفات طلب علم اور سفر کے اوقات کی تعیین کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہیں جن کے معلوم کرنے کا ذریعہ علم تاریخ ہے اسی وجہ سے علم تاریخ محدثین کے نزدیک عمدہ اور اشرف علوم ہے۔"

تشریح:

حدیث منقطع کی تعریف پیچھے گزر چکی ہے۔

مفصل کا مفہوم:

مفصل فعل سے ہے جسکے معنی روکنے اور عاجز کرنے کے ہیں کیونکہ اس خبر کا ماخذ تلاش کرنا مشکل کام ہے اس لیے تلاش سے عاجز آ کر اسے معفل کہا گیا۔

اصطلاحی معنی:

حافظ ابن حجر نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں۔

وان كان السقط تين فصاعد امع التوالى فهوا لمعفل.

"اگر دو یا زیادہ راوی متواتر ساقط ہوں تو وہ معفل ہے۔"

امام حاکم معفل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

امام الحدیث علی بن المدینی اور انکے بعد کے ہی بعض آئمہ نے ذکر کیا ہے کہ معفل وہ روایت ہے جس کی سند میں رسول اللہ ﷺ سے ارسال کرنے والے نبی ﷺ کے درمیان ایک سے زائد راوی ساقط ہوں اور یہ مرسل سے الگ قسم ہے کیونکہ میراسیل کا تعلق صرف تابعین سے ہے۔[1]

---

[1] معرفته علوم الحديث ص ٣٦.

حافظ ابن صلاح نے لکھا ہے۔

وھو لقب لنوع خاص من المنقطع فکل معقل منقطع ولیس کل منقطع معفلا وقوم یمونه مرسلا کما سبق.

''اور معفل منقطع کی خاص قسم کا نام ہے گو یا ہر معفل منقطع ہے لیکن ہر منقطع معفل نہیں اور جیسے کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگ اسے مرسل بھی کہتے ہیں۔''[1]

روایت کرنے والوں کے حالات کو جاننا:

❁ یہ ضروری ہے کہ روایت کرنے والوں کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات معلوم ہو اور ان کے وطن کو جاننا چاہیے نیز ان کے دیگر احوال بھی جاننے چاہییں مثلاً انہوں نے کہا تعلیم حاصل کی کن کن شہروں کا سفر کیا کن کن مشہور مشائخ سے ملاقاتیں کیں کیونکہ اس طرح ہم دو نام ہیں مشترک اور طبقہ میں مختلف یا نام میں مشترک شہر میں مختلف راوی میں تمیز کر لیں گے۔

❁ اس کے ذریعے ہم تدلیس کے بارے میں بھی جان جائیں گے کیونکہ اگر ایک راوی جو بصرہ میں رہتا ہے ایسے شیخ سے روایت کرے جو مکہ میں رہتا ہو شیخ کا بصرہ آنا ثابت نہیں اس کا مکہ جانا ثابت نہیں اور کسی اور جگہ بھی ان کی ملاقات ثابت نہیں۔

❁ ایک راوی نے عن فلان عن فلاں کہہ کر روایت کر دیا ہے لیکن عن فلاں کہہ کر جس سے روایت کر رہا ہے اس راوی کا انتقال اس راوی کی پیدائش سے پانچ سال پہلے ہو چکا ہے۔ یقیناً درمیان سے کوئی راوی ساقط ہے۔

مختلف طبقات:

محدثین نے مختلف انداز میں طبقات کو ترتیب دیا ہے کسی نے صحابہ کو ایک طبقہ۔ تابعین کو دوسرا اور تبع تابعین کو تیسرا طبقہ شمار کیا تو کسی نے صرف صحابہ اکرام علیم الرضوان کو تین طبقات میں شمار کیا کبار صحابہ کا طبقہ درمیانی صحابہ کا طبقہ اور صغار صحابہ کا طبقہ۔

علامہ ابو عبداللہ حاکم نیشا پوری نے صحابہ کے بارہ ۱۲ طبقات مقرر کیے ہیں۔

❁ وہ صحابی جو مکہ میں اسلام لائے مثلاً خلفاء اربعہ،

---

[1] مقدمہ ابن صلاح ص ۵۹.

❁ وہ صحابی جو دارالندوہ میں مشاورت سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔
❁ مہاجرین حبشہ
❁ اصحاب عقبہ اولیٰ
❁ اصحابِ عقبہ ثانیہ
❁ مہاجرین اولین وہ جو حضور اکرم ﷺ کے قبا پہنچنے سے پہلے مدینہ پہنچ گئے۔
❁ اھل بدر
❁ بدر اور حدیبیہ کے درمیانی عرصہ میں ہجرت کرنے والے
❁ اہلِ بیعت رضوان
❁ حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں ہجرت کرنے والے صحابہ مثلاً خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص
❁ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے صحابہ
❁ وہ بچے جنہوں نے فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے دن آپ ﷺ کی زیارت کی (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

راویوں کی پیدائش اور وفات:

اس کا تعلق تاریخ سے ہے جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے اس کا جاننا بھی ضروری ہے تا کہ اگر کوئی راوی کسی شیخ سے روایت کرے تو پیدائش کا وقت جاننے سے اس کا جھوٹ کھل جائے گا مثلاً ایک شخص جو ۲۰۰ھ میں پیدا ہوا وہ امام مالک سے روایت کرے تو یقیناً یہ شخص غلطی پر ہے۔ کیونکہ امام مالک کا وصال ۱۷۹ھ میں ہوا یا راویوں کے سلسلے میں کسی اور کی غلطی سے بیچ کا ایک نام رہ گیا ہے تو پتا چلا کہ پیدائش اور وفات کے وقت جاننے سے اتصال سند اور انقطاع سند کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

راویوں کے شہر اور راویوں کے حالات کا جاننا:

شہروں کا جاننا اس لیے ضروری ہے کہ بعض مرتبہ دو ہم نام راویوں میں شہر کی نسبت کی وجہ سے پہچان ہو سکے یا راوی ایک ایسے شیخ سے روایت کرے جو دوسرے شہر میں رہتا ہوں۔ اور راوی کبھی اس شہر میں نہ گیا ہو پھر اس شیخ سے روایت کرے۔ یہ سب جاننے کے لیے ہر راوی کے مکمل

احوال کا جاننا ضروری ہے کیونکہ حدیث کے مرتبہ کا فیصلہ راوی کے احوال پر موقوف ہوتا ہے۔

مقدمہ

وَمن اقسام المنقطع المدلّس.بضم الميم وفتح اللام المشدّدة ويقال لهذا الفعل التدليس ولفاعله مدليس بكسراللام وصورته أن لا يسمى الراوى شيخه الذين سمعه منه بل يروى عمن فوقه بلفظ يوهم السّماع ولا يقطع كذبا كما يقول: عن فلان وقال فلان والتدليس فى اللغة كمتان عيب السلعة فى البيع وقد يقال نه مشتق من الدلس وهو اختلاط الظلام واشتداده، سمى به لا شتراكما فى الخلفاء وحكم من ثبت عند التدليس: إنه لا يقبل منهً اذا صرح بالتحديث قال الشمنى التدليس حرام عندالائمة روى عن وكيع: انه قال :لايحل اتدليس الثوب فكيف بتدليس الحديث وبالغ شعبة فى ذمه وقد اختلف العلماء فى قبول رواية المدلس فذهب فريق من أهل الحديث والفقه إلى أن التدليس جرح، وأن من عرف به لا يقبل حديثه مطلقاً وقيل يقبل وذهب الجمهور الىٰ قبول تد ليس من عرفانه انه لا يدلس إلا عن ثقة كابن عيينة ،وإلى ردّ من كان يدلس عن الضعفاء وغير هم حتى ينص علىٰ سماعه بقوله: سمعت أو حدثنا اوأخبرنا. والباعث علی التدلیس قد یکون لبعض الناس غرض فاسد مثل: إخفاء السماع من الشيخ لصغر سنه، أوعدم شهرته وجاهه عندالناس، والذى وقع من بعض الا كابر ليس لمثل هذا بل من جهةوثوقهم لصحة الحديث واستغنا ء بشهرة الحال .الشمنى يحتمل أن

يكون قد سمع الحديث من جماعة من الثقات وعن ذلك الرجل فاستغنى بذكره عن ذكر أحدهم. أو ذكر جميهم التحققه بصحة الحديث فيه كما يفعل المرسل.

''منقطع کی ایک قسم مدلس (بضم میم وفتح لام مشددہ) ہے اس فعل کو تدلیس کہا جاتا ہے اور اس کے کرنے والے کو مدلس (بکسر لام کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ کا جس سے اس نے حدیث سنی ہے نام نہ لے بلکہ اس کے اوپر کیے راوی سے ان الفاظ میں روایت کرے جس سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ اس نے اسی اوپر والے راوی سے سنا ہے جیسے عن فلاں یا قال فلاں کہے تدلیس کے لغوی معنی ہیں خرید وفروخت کے عیب کو چھپانا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دلس سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تاریخ کا اختلاط اور اس کا شدت اختیار کرلینا حدیث کو مدلس اس لیے کہا گیا کہ خفاء میں مشترک ہے شیخ نے فرمایا کہ جس سے تدلیس ثابت ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے حدیث قبول نہ کی جائے گی بجز اس صورت کے کہ تحدیث کے ذریعے صراحت کردے۔ شمنی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تمام آئمہ کے نزدیک تدلیس حرام ہے اور وکیع رحمہ اللہ سے ہے مروی ہے کہ جب کپڑوں میں تدلیس جائز نہیں تو حدیث میں کسی طرح جائز ہوسکتی ہے اور اس کی نسبت زیادہ مذمت کی ہے مدلس کی روایت قبول کرنے میں علماء کا اختلاف ہے محدثین اور فقہاء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ تدلیس عیب ہے اور جس شخص کے متعلق معلوم ہوجائے کہ تدلیس کرتا ہے۔ اس کی حدیث مطلقاً مقبول نہیں اور بعضوں نے کہا مقبول ہے جمہور کے نزدیک اس شخص کی تدلیس مقبول ہے جس کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ ثقات کی ہی تدلیس کرتا ہے مثلاً ابن عینیہ اور اس کی تدلیس مردود ہے جو ضعیف اور غیر ضعیف سبھوں کی تدلیس کرتا ہے یہاں تک کہ سمعت یا حدثنا اور اخبرنا کے لفظ کے ذریعہ سماع کی صراحت نہ

کردے اور تدلیس پر بعض لوگوں کو غرض فاسد آمادہ کرتی ہے۔ مثلاً شیخ کی نوعمری کے باعث اس سے اپنے سماع کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے یا اس سبب سے کہ شیخ لوگوں کی نظروں میں شہرت اور مرتبہ کا مالک نہیں ہے اور بعض اکابر نے جو تدلیس کی ہے تو صرف اس وجہ سے کہ انہیں حدیث کی صحت پر کامل اعتماد تھا اور شہرت وغیرہ سے مستغنیٰ تھے شمنی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ ثقات کی ایک جماعت سے حدیث سنی ہو اس شخص سے بھی اس لیے اس کے ذکر نے دیگر لوگوں کے ذکر سے بے نیاز کر دیا جیسا کہ مرسل میں ہوا کرتا ہے۔"

مدلس

لغوی تعریف:

مدلس تدلیس سے اِسم مفعول کا صیغہ ہے لغت میں تدلیس کہتے ہیں سامان کے عیب کو خریداری پوشیدہ رکھنا یا تدلیس دلس سے مشتق ہے دلس کے معنی اندھیرے میں خلط ملط ہونا ہے چونکہ مولس (تدلیس کرنے والا حدیث کے معاملہ کو تاریک رکھتا ہے اس لیے اس کو مدلس کہتے ہیں حافظ ابن حجر اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سمی بذلک اشتراکهما فی الخفاء ویرد والمدلس بصیغة من صیغة الاداء تحتمل وقوع النفی بین المدلس ومن اسنه عنه کعن وکذا قال ومتی وقع بصیغة صریحة لاتجوزفهیا کان کذبا. ①

حافظ ابوبکر لطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

التدلیس للحدیث مکروه عنداکثر اهل العلم وقد عظم بعضم الشان فی ذمه و تبیح بعضم بابراء ة منه.

"اکثر اھل علم کے نزدیک حدیث میں تدلیس ناپسندیدہ ہے بعض نے تو اس کی بہت مذمت کی ہے اور بعض نے اس سے برائت کا اعلان کیا ہے۔" ②

---

① نزهة النظر مع نخبة الفكر ص ٦٦. ② الکفایه ص ٣٥٥ .

خطیب تدلیس کی مذمت میں لکھتے ہیں۔

وذموا من ذلمسه والتدليس يشتمل على ثلاثة احواله تقتضى ذم المدلس وتوهينه فاحدها ما ذكرناه ايها مه السماع ممن لمن يمسمع عنه وزلک مقارب الاخبار بالسماع ممن لم يسمع منه والثانية عدوله عن الكشف الى الاحتمال وذلک خلاف موجب الورع والا مانة والثالثة ان المدلس انما لم يبين من بينه وبين من روى عنه لعلمه بانه لو ذكره لم يكن مرضيا مقبولا عنه اهل النقل فلذلک عدل عن ذكره وفيه ايضا انه انما لا يذكر من بينه وبين من دلس عنه طلباء لتوهيم علوا الا سناد والا نفة من الرواية عن حدثه وذلک خلاف موجب العدالة ومقتضى الديانة من التواضع فى طلب العلم وترک الحمية فى الاخبار باخذا لعلم عمن اخذه والمرسل المبين برى من جميع ذلک.

''علماء نے تدلیس کرنے والے کی مذمت کی ہے۔تدلیس کے تین پہلو ہیں جو اس امر کے متقاضی ہیں کہ مدلس کی مذمت اور اہانت کی جائے ایک تو وہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی راوی کا اس مروی عنہ سے سماع کا ابہام جس سے اس نے اس حدیث کونہیں سُنا۔ایسا کرنا مُروی عنہ سے نہ سُنی ہوئی حدیث کو سَماع کے طور پر بیان کرنے کے قریب ہے دوسرا یہ کہ ایسا کرنا احتمال کوظاہر کرنے سے اجتناب کرنا ہے جو تقویٰ وامانت کے خلاف ہے، تیسرا یہ کے مدلس اپنے اور مروِی عنہ کے واسطے کو بیان نہیں کرتا کیونکہ اِسے علم ہے کہ اِس کا ذِکر کرنا اہل روایت کے ہاں غیر مقبول اور ناپسندیدہ ہوگا لہذا اس نے اس کے ذِکر سے اِجتناب کیا۔مزید یہ کہ اپنے اور مدلس عنہ کے وَاسطے کو اِس لیے بیان نہیں کیا تا کہ عُلو اسناد اور مروی عنہ سے ترک روایت کا تاثر دے۔ حالانکہ

جس سے علم حاصل کیا اس کا ذکر نہ کرنا ترک حمیت۔ عدالت و دِیانت کے تقاضوں اور طلبِ علم کے لیے مطلوبہ تواضع کے خلاف ہے۔ [1]

حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے:

لان ازنی احب الی من ان ادلس.

''میرے نزدیک زنا تدلیس سے قابلِ ترجیح عمل ہوگا۔'' [2]

حافظ ابن الصلاح نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

هذا من شعبة افراط محمول علی المبالغة فی الزجر عنه و التنفیر.

''شعبہ کا یہ قول افراط پر مبنی ہے جو تدلیس سے روکنے اور نفرت دلانے کے مبالغہ پر محمول کیا جاتا ہے۔'' [3]

حافظ ابن حجر ''القواطع'' کے حوالے سے ابن السمعانی کا قول نقل کرتے ہیں جس سے عدم قبول کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔

ان کان ان استکشف لم یخبر باسم من یروی عنه . فهذا یسقط الاحتجاج بحدیثه لان التدلیس تزویر و ایهام لما لاحقیقة له وذلک یرثر فی صدقه و ان کان یخبر.

''اگر یہ منکشف ہو جائے کہ (راوی) مروی عنہ کا نام نہیں بتاتا تو یہ بات اس کی حدیث کو درجہ استثناء سے ساقط کر دے گی کیونکہ تدلیس فریب اور ایسے تاثر کا نام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں اور یہ امر اس کی صداقت پر اثر انداز ہوگا ہاں اگر وہ مروی عنہ کا نام بتا دے تو پھر کوئی اثر نہیں ہوگا۔'' [4]

حافظ ابن حجر اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

والصواب الذی علیه جمهور المحدثین خلاف ذلک

---

① الکفایه ۳۵۸. ② مقدمه ابن الصلاح ص ۷۵.

③ مقدمه ابن الصلاح صفحه ۷۵. ④ فلان النکت ۲ / ۶۳۲.

''اور درست رائے وہی ہے جس کو جمہور محدثین نے اختیار کیا ہے اور وہ اس کے برعکس ہے۔'' ①

تدلیس کی قسمیں:

تدلیس کی دو بڑی اور بنیادی قسمیں یہ ہیں۔

⊙ تدلیس الاسناد ⊙ تدلیس الشیوخ

تدلیس الاسناد:

تدلیس الاسناد یہ ہے کہ راوی اپنے معاصر سے کوئی حدیث سنے یا کسی شیخ سے چند حدیثیں سننے کہ بعد اس کا نام چھوڑ کر اوپر کے شیخ سے روایت کرے اور تعبیر ایسے الفاظ سے کرے جس سے یہ معلوم ہو رہا ہو کہ اس نے اسی سے سنا ہے جس کا نام لے دیا ہے حالانکہ اس سے سماع نہیں ہے۔

تدلیس اسناد پر اُبھارنے والے مقاصد:

❋ سند کے عالی ہونے کا وہم دلانے کے لیے تدلیس کی جاتی ہے۔

❋ جس شیخ سے لمبی حدیث سنی اب اس سے کچھ حصہ فوت ہو گیا۔

❋ شیخ کا غیر ثقہ ہونے کی وجہ سے بھی تدلیس کی جاتی ہے۔

❋ شیخ کا چھوٹی عمر کا ہونا۔

تدلیس الشیوخ

یہ تدلیس کی دوسری قسم ہے اس میں راوی اپنے شیخ کا ایسا نام صفت یا کنیت یا نسبت بیان کرے جو غیر معروف ہے علامہ جلال الدین سیوطی شافعی تدریب الراوی میں اس کی تعریف یوں لکھتے ہیں۔

ان یسمی شیخه او یکنیه او یلقب او یصفه بمالا یعرف

''یعنی اپنے شیخ سے نقل کرے مگر اس کا ایسا نام ایسی کنیت یا ایسا ہی لقب وصفت ذکر کرے جس سے وہ مشہور اور متعارف نہیں۔''

---

① النکت ۲ / ٦٣٣.

حافظ ابن الصلاح تدلیس الشیوخ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

تدلیس الشیوخ وھو ان یروی عن شیخ حدیثا سمعه منه فیسمیه او کینه او نبیه او یعفه بما لا یعرف به لایعرف.

"تدلیس الشیوخ یہ کہ وہ ایک شیخ سے ایسی حدیث بیان کرے جسے اس نے شیخ سے سنا پھر وہ اس کا ایسا نام کنیت یا نسبت یا وصف بیان کرے جس سے وہ معروف نہیں تا کہ اس شیخ کو پہنچانا نہ جا سکے۔"[1]

تدلیس الشیوخ کی مثال:

ابوبکر بن مجاہد نے روایت کرتے ہوئے کہا حدثنا عبداللہ بن ابی عبداللہ اور اس سے انکی مراد ابوبکر بن ابی داؤد سجستانی ہیں۔

تدلیس شیوخ کا حکم:

تدلیس الشیوخ الاسناد کی نیت ہلکی اور خفیف ہے کیونکہ اس میں مدلس کسی کو ساقط نہیں کرتا بلکہ اس میں راوی نے اس کی اسناد کو مشکل .نا تا ہے اور پہچان کے راستے کو دشوار کر دیتا ہے۔

تدلیس التسویہ:

تدلیس التسویہ یہ ہے کہ راوی ضعیف واسطے کو ساقط کر کے اتصال کا تاثر دے اور اس کے بجائے ظاہر یہ کیا جائے کہ حدیث ثقات سے مروی ہے تا کہ ایسے صحیح اور مقبول قرار دیا جائے یہ تدلیس کی بدترین قسم ہے کیونکہ اس میں شدید ترین دھوکہ پایا جاتا ہے۔ ولید بن مسلم اس قسم کی تدلیس میں مشہور تھے چنانچہ اوزاعی کے ضعیف نیوخ کو حذف کر کے صرف ثقات کا نام ذکر کرتے جب اس ضمن میں حلیہ سے سوال کیا گیا تو اس نے کہا اوزاعی کا مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ وہ ایسے ضعیف راویوں سے حدیث راویت کریں۔

پھر حلیہ سے کہا گیا کہ جب اوزاعی ان ضعیف راویوں سے روایتیں نقل کریں اور آپ ان کو حذف کر کے ان کی جگہ ثقہ راویوں کے نام ذکر کریں تو پھر اوزاعی کو ضعیف راوی قرار دینا چاہیے۔ حلیہ یہ سن کر خاموش ہو گیا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔

---

[1] المقدمه ابن الصلاح ص ٧٤.

مقدمہ

وان وقع فی اسناد او متن اختلاف من الرواۃ بتقدیم و تاخیر او زیادۃ ونقصان او ابدال راوٍ مکان راو آخراومتن مکان متن اوتصحیف فی اسماء السند اوأجزاء المتن أو باختصار أوحذف اومثل ذلک فالحدیث مضطرب فان أمکن الجمع فبها والا فالتوقف.

''اگراسناد یامتن میں راویوں کا اختلاف تقدیم وتاخیر۔زیادتی وکمی کے ذریعے ہو یا ایک راوی کی جگہ دوسرا راوی ہے یامتن کی جگہ دوسرا متن ہو سند کے ناموں میں تصحیف ہو۔اختصار ہو یا حذف ہو یا اسی طرح کی دوسری چیزیں ہوں تو حدیث مضطرب ہے۔''

اگر ان کے درمیان توفیق ممکن ہوتو مقبول ہے ورنہ اس کا حکم توقف ہے۔مضطرب اضطراب سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، کہا جاتا ہے اضطراب الموج یعنی موج ایک دوسرے سے ٹکرا رہی ہے کسی چیز کا اضطراب اس کا حرکت میں آنا ہے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں۔

ان کانت الخالفۃ یا بدالہ ای الراوی ولا مرجح لاحدی الرویتین علی الاخری فھذا ھو المظرب.

''اگر ایک راوی کے بدل دینے سے مخالفت ثقافت ہوئی اور دونوں روایتوں میں سے کسی ایک کو ترجیح نہ دی جا سکے تو یہ حدیث مضطرب ہے۔''[1]

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں۔

المضطرب من الحدیث ھوالذی تختلف الروابہ فیہ فیرویہ بعضھم علی وجہ وبعضھم علی وجہ آخر مخالف لہ وانما نسمیہ مضطربا اذا تساوت الروایتان.

---

① نزھتہ النظر ص ۹۲.

''مضطرب وہ حدیث ہے جس میں روایت مختلف ہو یعنی ایک راوی ایک طریق روایت کرے اور دوسرا ایک اور طریقہ پر روایت کرے جو پہلے سے مختلف ہو اور ہم اسے مضطرب اس صورت میں کہیں گے جب دونوں مساوی ہوں۔''[1]

مضطرب کی اقسام:

حدیث مضطرب کے بارے میں حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں۔

ثم قدیقع الاضطراب فی متن الحدیث و قدیقع فی الاسناد وقدیقع ذلک من راو واحد وقد یقع بین رواۃ له جماعة.[2]

حدیث مضطرب کی دو اقسام ہیں۔

⊙ مضطرب السند ⊙ مضطرب المتن۔

❁ مضطرب السند: اگر اضطراب سند میں ہو تو یہ مضطرب السند کہلائے گی حافظ ابن حجر عسقلان رحمہ اللہ نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں۔

وهو يقع فی الاسناد غالبا وقدیقع فی المتن لکن قل ان یحکم المحدث علی الحدیث باضطرب بالنسبه الی اختلاف فی المتن دون الاسناد.

''اور یہ اسناد میں اکثر واقع ہوتا ہے اور کبھی متن میں ہوتا ہے لیکن ایک کم ہوتا ہے کہ محدث کسی حدیث کے بارے میں سند کے علاوہ صرف متن کی بنیاد پر اس کا فیصلہ دیں۔''[3]

مضطرب السند کی مثال:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیث۔

عن ابی بکر ان قال یارسول الله صلی الله تعالیٰ علیه والم اراک

---

① مقدمه ابن الصلاح ص ٩٤. ② مقدمه ابن الصلاح ص ٩٤. ③ نزهة النظر ص ٩٣.

ثبت قال شئی هو رواخواتها.

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کہ میں آپ میں بڑھاپے کے آثار دیکھ رہا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔''[1]

دار قطنی کہتے ہیں یہ حدیث مضطرب ہے یہ صرف ابواسحاق کی سند سے مروی ہے اور ابواسحاق پر دس کے قریب وجوہات سے اختلاف کیا گیا یہ بعض نے اِس مُرسل بیان کیا ہے بعض نے اِسے موصول بیان کیا ہے بعض نے اسے سند ابی بکر بتایا، بعض نے مسند سعد کا حوالہ دِیا اور بعض نے مسند عائشہ رضی اللہ عنہا میں شمار کیا اور اِس کے راوی سب ثقہ ہیں اس لیے کسی روایت کو ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

جو شخص ایسی مختلف احادیث پر غور کرتا ہے بعض اوقات یہ سوچتا ہے کہ حدیث کے دس مختلف طرق سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث صحیح نہ ہو اس لیے کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں ان کی صداقت وثقاہت اسی حد تک ہم رنگ ہے کہ ان کی روایات میں ترجیح کا امکان نہیں۔

یہ سوچ بظاہر صحیح نظر آتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ کسی حدیث پر عند التعارض جو حکم لگایا جاتا ہے۔ وہ اس کو کئی درجات میں تقسیم کر دیتا ہے مثلاً وہ حدیث جس کے راوی کے شیوخ میں اختلاف نہ پایا جاتا، ہو اِس حدیث کی نسبت زیادہ قوت والی ہوگی جس میں یہ اختلاف پایا جائے گا اِس لیے سند میں اضطراب کو ضعف کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

مضطرب المتن کی مثال:

عن فاطمه بنت قيس سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الزكوة فقال ان فی المال الحفا سوی الزكوة.

''حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام سے زکوۃ کے متعلق سوال کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مال میں زکوۃ کے علاوہ اور بھی حق ہیں۔''[2]

---

[1] ترمذی کتاب التفیر ۔ تفسیر سورہ واقعہ. [2] ترمذی.

امام ترمذی نے اِس حدیث کو جس سند سے بیان کیا ابن ماجہ نے بھی اپن سند سے بیان کیا لیکن اس میں الفاظ یہ ہیں۔

لیس فی المال حق سوی الذکواۃ .

''مال میں زکوۃ کے سوا اور کوئی حق نہیں۔''[1]

مقدمہ

وان ادرج الراوی کلامه او کلام غیره من صحابی اوتابعی مثلاً لغرض من الاغراض کبیان اللغة او تفسیر للمعنی اوتقیید المطلق اونحو ذلک فالحدیث مدرج .

''اگر راوی نے اپنا کلام یا اپنے علاوہ اپنے مثل کسی صحابی یا تابعی کا کلام لغت بیان کرنے یا کسی معنی کی تفسیر بیان کرنے یا مطلق کی تقیید کی غرض سے درج کر دیا ہو تو وہ حدیث مدرج ہے۔''

مدرج:

مدرج ادرج سے اسم مفعول ہے جس کے معنی ملانے اور شامل کرنے کے ہیں اور اصلاحی کہ تعریف یہ ہے کہ جس حدیث کی سند یا متن میں ایسے اضافے کا پتہ چلے جو دراصل اس میں نہ ہو وہ حدیث مدرج ہے۔

مدرج کی اقسام:

محدثین کے مطابق مدرج کا تعلق سند سے ہوگا یا متن سے اس لحاظ سے مدرج کی دو قسمیں ہیں۔

⊙ مدرج الاسناد ⊙ مدرج المتن

مدرج الاسناد:

اگر سند میں تغیر واقعہ ہو جس کی وجہ سے ثقہ راوی کی مخالفت ہو تو وہ روایت مدرج الاسناد

---

[1] ابن ماجه کتاب الزکوة باب ماادی زکوة لیس بکنز.

کہلائے گی۔حافظ ابن حجر نزہۃ النظر میں لکھتے ہیں۔

ان کانت واقعة بسبب تغير اليساق اى سياق الاسناد فالواقع فيه ذالک التغير هو مدارج الاسناد.

''اگر مخالف ثقات اسناد کے سیاق کو تبدیل کرنے سے واقع ہوئی تو یہ تبدیلی مدرج الاسناد کہلاتی ہے۔[1]

مدرج الاسناد کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں۔

❁ ایک راوی متعدد مشائخ سے ایک حدیث مختلف سندوں سے سنے پھر ان تمام سندوں کو ملا کر ایک سند بنا کر حدیث روایت کرے۔

❁ ایک راوی ایک حدیث کسی سند سے بیان کرتا ہو،لیکن متن کا کچھ حصہ کسی دوسری سند سے روایت کرتا ہو پھر اس راوی سے پوری حدیث کوئی ایک ہی سند سے بیان کردے۔

❁ ایک راوی اپنے شیخ سے ایک حدیث سنتا ہے اور اس حدیث کے بعض حصے کو شیخ کے شیخ سے بلاواسطہ سنتا ہے اور یہ راوی پوری روایت کو شیخ الشیخ سے روایت کرے اور واسطے کو حذف کردے۔

❁ شیخ کوئی سند بیان کرے پھر اس کا متن بیان کرنے سے پہلے خود اپنی طرف سے کوئی بات کرے اور شاگرد نے غلط فہمی میں اسے متن کا حصہ سمجھا اور اسی طرح روایت کردیا۔

مدرج المتن:

حافظ ابن حجر عسقلانی نزہۃ النظر میں لکھتے ہیں۔

واما مدرج المنتى فهو ان يقع فى المتنى كلام ليس منه فتادة يكون فى الوله وتارة فى اثناء وتارة فى آخره وهو الاكثر لانه يقع بعطف جمله على جملة اويلمج موقوف من كلام الصحابه اومن بعد هم بمرفوع من علام النبى من غير فصل فهذا هو مدرج المتين.

---

[1] نزهة النظر ٩٠.

"متن حدیث میں ایسا کلام واقع ہو جو اصل میں اس کا حصہ نہ ہو یہ ادراج بھی حدیث کی ابتداء میں بھی درمیان میں اور کبھی آخر میں واقع ہوتا ہے اور زیادہ تر آخر میں ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ ایک جملہ پر جملہ کے لطف کے ذریعے واقع ہوتا ہے یا صحابہ وتابعین کے موقوف کلام کو نبی کریم ﷺ کے کلام کے ساتھ بلا فصل ملانے کا طریقہ اختیار کیا ہو تو یہ مدرج المتن کہلاتی ہے۔ [1]

۳۔ مدارج کی مثالیں

(ا) آغاز حدیث میں ادراج کے واقع ہونے کی مثال:

اس کا سبب یوں ہوتا ہے کہ راوی ایک کلام کرتا ہے۔ مقصد اس پر (تائید کے لیے) اس حدیث سے اِستدلال کرنا ہوتا ہے جو آنے والی ہے اور اِمتیاز نہیں کرتا تو سُننے والا یہ وہم اور خیال کرتا ہے کہ یہ تمام حدیث ہے جیسے وہ حدیث جسے خطیب بغدادی نے ابی قطن اور شبابہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ انہیں الگ الگ اور فرق سے بیان کیا ہے شعبہ سے وہ محمد بن زیاد سے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

اسبغوا الوضوء ویل للاعقاب من النار تو یہ قول اسبغوا الوضوء.

یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے اور مدرج ہے جیسا کہ امام بخاری کی روایت میں واضح اور ظاہر ہے۔ بخاری آدم سے۔ وہ شعبہ سے وہ محمد بن زیاد سے وہ ابو ہریرہ سے بیان کرتا ہے۔ فرمایا۔ [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وضوء مکمل اور پوری طرح کرو کیونکہ ابو القاسم ﷺ نے فرمایا خشک ایڑیوں والوں کے لیے آگ سے ہلاکت اور ویل ہے (ویل وادی کا نام ہے)۔

خطیب کہتے ہیں ابو قطن اور شبابہ نے اپنی روایت میں غلطی اور وہم کیا ہے۔ شعبہ سے مذکورہ سند سے بیان کیا حالانکہ بہت بڑی جماعت نے اس کو شعبہ سے اِس طرح بیان کیا ہے جیسے آدم کی روایت ہے۔ (جو بخاری کے حوالہ سے گزری ہے)۔ [3]

---

① نزھۃ النظر ۹۱. ② اسبغوا الوضوء فان انا القاسم ﷺ قال ویل للاعقاب من النار. ③ تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۶۰.

(ب) وسطِ حدیث میں ادراج کی مثال:

آغاز بخاری میں باب بدء الوحی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔فرماتی ہیں۔

(کان النبی ﷺ یتحنّث فی غار حراء وھو التعبد. اللیالی ذوات العدد) بخاری باب بدء الوحی) تو قول (وھو التعبد) یہ امام زہری راوی حدیث کا کلام ہے جو بطورِ تفسیر درج کیا گیا ہے۔

''نبی اکرم ﷺ غارِ حرا میں مسلسل کئی راتوں عبادت کرتے رہتے تھے۔''

(ج) حدیث کے آخر میں ادراج کی مثال:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث

(للعبدالمملوکِ اجران والذی نفسی بیدہ لولا الجھاد فی سبیل اللہ والحجح وبُرامّی لا حببت ان اموت وانا مملوک) بخاری کتاب العتق)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بیان کرتے ہیں غلام بندے کے لیے دو اَجر اور ثواب ہے اِس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔اگر اللہ کے راستے میں جہاد کرنا اور حج کرنا اور ماں سے نیکی کرنا نہ ہوتا تو میں غلامی کی حالت میں فوت ہونا پسند کرتا۔''

یہ کہنا(والذی نفسی ......بیدہ الی آخرہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ایسے کلام کا صدور ناممکن ہے۔اس لیے کہ آپ غلامی تمنا نہیں کر سکتے اور اس لیے بھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ تو زندہ ہی نہیں تھیں کہ ان سے نیکی اور حسنِ سلوک کرتے۔

ادراج کی معرفت

ادراج کی معرفت مندرجہ ذیل کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔

❁ ایسی حدیث کا موجود ہونا جو ادراج سے محفوظ ہو اور اس سے واضح نہ ہو جائے کہ اصل الفاظ یہ ہیں اور ادراج کلام یہ ہے۔

❁ راوی کی تصریح سے پتہ چل جائے کہ حدیث میں فلاں کلام کا ادرج ہے۔
❁ کوئی بڑا محدث ادراج کی نشاندہی کرے۔
❁ حدیث کے سیاق سے اوداج کا پتہ چلے۔
❁ حضور اکرم ﷺ سے اس قسم کا کلام صادر ہونا ناممکن ہو۔

مقدمہ

فضل تنبيه: وهذا المبحث ينجر الىٰ رواية الحديث ونقله بالمعنى. وفيه اختلاف فالاكثرون على :انه جائز ممن هو عالم بالعربية وما هو فى أساليب الكلام وعارف بخواص التراكيب ومفهومات الخطاب الئلا يخطى بزيادة ونقصان وقيل :جائز فى مفردات الا الفاظ دون المركبات وقيل: جائز لمن استحضر الفاظه حتى يتمكن من التصرف فيه وقيل جائز لمن يحفظ معافى الحديث ونسى الفاظها للضرورة فى تحصيل الاحكام. وامّامن استحضر الالفاظ فلا يجوزله لعدم الضرورة وهذا الخلاف فى الجوز وعدمه أمااولوية رواية اللفظ من غير تصرف فيها فمتفق عليه لقوله ﷺ (نَضَّر اللّٰه امرأسَمِعَ مَقالقتِي فَوَعَا فَأَدَّاها كَمَا سَمِعَ الحديث والنقل بالمعنى واقع فى الكتب الستة وغيرها)

"فصل تنبیہ اس بحث سے ایک دوسری بحث حدیثوں کے روایت بالمعنی کی پیدا ہوتی ہے محدثین کے نزدیک اس میں سخت اختلاف ہے اکثر اس کے جواز کے قائل ہیں بشرطیکہ راوی زبان عربی کا جاننے والا اور اسلوب کلام میں ماہر' ترکیبوں کے خواص اور مفہومات خطاب سے واقفیت رکھتا ہوتا کہ زیادتی اور کمی کے ذریعے غلطی نہ کر سکے، بعضوں نے کہا مفرد الفاظ میں جائز ہے، مرکبات میں جائز نہیں۔ اور بعضوں نے کہا اِس کے لیے جائز ہے جس کو حدیث کے الفاظ زبانی یاد ہوں تا کہ اس میں تصرف کر سکے بعضوں کے نزدیک تحصیل

احکام کی ضرورت کی بنا پر اس شخص کے لیے جائز ہے جسے حدیث کی معانی تو یاد ہوں لیکن الفاظ بھول گیا ہو اور جسے الفاظ حدیث یاد ہوں اس کے لیے روایت بالمعنی جائز نہیں اس لیے کہ یہ بلاضرورت ہے اور یہ اختلاف جواز اور عدم جواز میں ہے لیکن اولیٰ سب ہی لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ الفاظ بلا کسی تصرف کے روایت کیے جائیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز وشاداب رکھے جس نے میری باتیں سنیں اسے یاد رکھا اور اس کو دوسروں تک اسی طرح پہنچایا جس طرح مجھ سے سنا روایت بالمعنی کتب ستہ اور اس کے علاوہ دیگر کتب میں بھی بکثرت موجود ہے۔''

روایت بالمعنی:

روایت بالمعنی یہ ہے کہ راوی روایت کے الفاظ کے بجائے معانی کو اپنے الفاظ میں بیان کرے۔

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

اذا ارا د روایة مامعه علی معنا ہ دون الفظه. [1]

جب وہ سنی ہوئی بات کے الفاظ کے بجائے معانی کی روایت کرے تو یہ روایت بالمعنی پر روایت بالمعنی یہ امر غور طلب ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں کیونکہ احوط تو یہی ہے الفاظ نہ بدلے جائیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ترتیب الفاظ میں جو حکمتیں ہیں ان کو اللہ تبارک وتعالی ہی بہتر جاننے والا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

روایت بالمعنی میں اختلاف مشہور ہے اور اکثر کے نزدیک جائز ہے اور ان کی قوی ترین دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ عجمیوں میں سے جو شخص عربی زبان کا عالم ہو اس کے لیے شریعت کا اپنی زبان میں ترجمہ کرنا جائز ہے اور جب ایک عربی لفظ کو دوسری لغت کے ساتھ

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۱۳.

تبدیل کرنا جائز ہے تو عربی لفظ کے ساتھ تبدیل کرنا یہ طریق اولیٰ جائز ہوگا۔ایک قول یہ ہے کہ یہ مفردات میں جائز ہے (مثلاً لیث کی جگہ اسد کہنا) اور مرکبات میں جائز نہیں ہے۔ایک قول یہ ہے کہ جس شخص کو لفظ مستحضر ہو اور وہ اس میں تصرف پر قادر ہو اس کے لیے جائز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ اس کے لیے جائز ہے جس کو حدیث حفظ ہو اور وہ اس کے الفاظ بھول گیا ہو اور اس کا معنی اس کے ذہن میں مرتسم ہو اس کے لیے روایت بالمعنی جائز ہے تاکہ وہ حکم حاصل ہو سکے۔اور تمام بحث جواز اور عدم جواز میں ہے ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث کو اس کے اصل الفاظ کے ساتھ بیان کرنا اولیٰ ہے قاضی عیاض نے کہا کہ روایت بالمعنی کا دروازہ بند کرنا چاہیے تاکہ وہ شخص روایت بالمعنی کی جرات نہ کرے جس کو الفاظ عربیہ اور ان کے متبادل الفاظ بولنے کا ملکہ نہیں ہے۔[1]

حافظ عراقی لکھتے ہیں:

جو شخص الفاظ کے مدلول' معانی اور مقاصد کو نہ جانتا ہو، اسی کے لیے بالاتفاق روایت بالمعنی کرنا جائز نہیں ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے شیخ کے الفاظ کو نقل کرے، اور اکثر محدثین، فقہاء اور اصولیین نے یہ کہا ہے کہ اگر وہ الفاظ کے معانی اور مقاصد کا عالم ہے تو اس کے لیے روایت بالمعنی کرنا جائز ہے اور بعض نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں روایت بالمعنی کرنا جائز نہیں ہے اور دیگر خبروں میں جائز ہے اور پہلا قول ہی صحیح ہے۔کیونکہ متعدد صحابہ سے اِس کے جواز کی تصریح منقول ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے قصہ واحدہ کو متعدد الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اور حافظ ابن مندہ نے حضرت عبداللہ بن سلیمان بن اکیمہ لیثی سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ سے حدیث سنتا ہوں اور میں اِس کی اِستطاعت نہیں رکھتا کہ مَیں اِس حدیث کو بعینہٖ اِس طرح ادا کروں جس طرح آپ سے سُنا اس میں کوئی حرف زیادہ ہوگا یا کم ہوگا۔آپ نے فرمایا جب تم کسی حرام کو حلال نہ کرو۔اور کسی حلال کو حرام نہ کرو اور صحیح بھی برقرار رکھو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

حافظ ابن الصلاح نے کہا ہماری رائے میں یہ اختلاف کُتب احادیث سے حدیث کو نقل

---

[1] شرح نزهة النظر مع نخبة الفكر ص ٨٤.

کرنے میں جارہی نہیں ہے اور ہمارے علم کے مطابق کسی نے اس کو کتب حدیث میں جاری کیا ہے اِس لیے کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مصنف کی کتاب سے کسی حدیث کو نقل کرے اور اس میں الفاظ کو تبدیل کردے کیونکہ جنھوں نے روایت بالمعنی کی رخصت دِی ہے اِس کی وجہ یہ تھی کہ الفاظ کو ضبط کرنے اور اِس پر جمود برقرار رکھنے میں مشقت تھی اور کتابوں کے اوراق سے احادیث کے نقل کرنے میں یہ مشقت نہیں ہے نیز ہر چند کہ اس کو الفاظ تبدیل کرنے کا اختیار ہے لیکن کسی کو تصنیف کو تبدیل کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ [1]

مقدمہ

والعنعنة رواية الحديث بلفظ عن فلاں عن فلاں والمعنعن حديث روى بطريق العنعة اثترط فی العنعنة المعاصر عند مسلم واللقی عندالبخاری والا خذ عند قوم اخرين و مسلم رد علی الفريقين اشد الردو بالغ فيه وعنعنة المداس غير مقبول.

''عنعنہ عن فلاں عن فلاں کے الفاظ کے ساتھ حدیث بیان کرنے کو کہتے ہیں اور معنعن وہ حدیث ہے جو عنعنہ کے طو پر روایت کی جائے۔ عنعنہ میں اِمام مسلم کے نزدیک معاصرت شرط ہے بخاری کے نزدیک ملاقات شرط ہے اور دوسرے لوگوں کے نزدیک اخذ شرط ہے اِمام مسلم نے بہت زوردار طریقے پر اِن دونوں فریقوں کا رد کیا ہے، مدلیس کا عنفنہ مقبول نہیں ہے۔''

معنعن:

معنعن اس روایت کو کہتے ہیں جس میں عن فلاں عن فلاں کے الفاظ سے روایت کی گئی ہو اور اسماع حدیث کا ذکر صراحۃ نہ کیا گیا ہو۔

معنعن روایات صحیحین میں بکثرت پائی جاتی ہیں مگر صحیح مسلم میں ان کی اکثریت ہے اس کی وجہ یہ ہے امام مسلم نے صرف معاصرت کی شرط لگائی اور اس پر اجماع کا دعوی کیا جب کہ

[1] التبصرہ والتذکرہ شرح الفیہ جلد ٢ ص ١٦٩ ـ ١٦٨.

امام بخاری اور علی بن مدینی کا مذہب یہ ہے کہ راوی کی مروی عنہ سے ملاقات غایت ہو جب کہ ابوالمظفر سمعانی کا مذہب یہ ہے کہ ان کے درمیان طویل صحبت ثابت ہو۔

ابن الصلاح فرماتے ہیں۔

مسلم کا قول محل نظر ہے کہا گیا ہے کہ امام مسلم نے جس نظریہ کی تردید کی ہے اس کی حمایت کرنے والوں میں امام بخاری اور علی بن مدینی جیسے اکابر محدثین شامل ہیں۔[1]

امام نووی اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں فرماتے ہیں۔

محدثین نے امام مسلم کے نظریہ سے اتفاق نہیں کیا بلکہ اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ صحیح اور مذہب مختار وہی ہے جس کی انہوں نے تردید کی ہے آئمہ محدثین سب اسی کو درست خیال کرتے ہیں۔[2]

حدیث معنعن کے بارے میں علماء حدیث کا اختلاف ہے کچھ کا قول یہ ہے کہ یہ منقطع کی انواع میں سے ہے جب کہ دوسرا صحیح قول یہ ہے جس پر تمام محدثین اور فقہاء متفق ہیں۔ کہ یہ حدیث چند شرائط کے ساتھ متصل ہے۔

* عنعنہ کا راوی مدلیسی نہ ہو۔
* راوی اور مروی عنہ کے درمیان لقاء کا امکان ہو یعنی معاصرت ہو ان دو شرطوں پر جمہور محدثین متفق ہیں۔[3]

مقدمہ

وكل حديثٍ مرفوع سنده متصل فهو مسند هذا هوالمشهور المعتمد عليه وبعضهم يسمى كل متصل مسنداً وإن كان موقوفا اومقطوعا وبعضهم يسمى المرفوع مسندا وان كان مرسلا وكل حديث مرفوع مفضلا او منقطعاً .

"حدیث مرفوع جس کی سند متصل ہو وہ مسند ہے یہی تعریف مشہور اور معتمد علیہ ہے بعضوں کے نزدیک ہر متصل مسند ہے اگرچہ موقوف یا مقطوع ہو اور

---

① علوم الحدیث۔ ② شرح صحیح مسلم۔ ③ ناصر الاصول فی حدیث الرسول ص ٤٤.

بعضوں نے مرفوع کومسند کہا ہے اگر چہ وہ مرسل یا مفصل یا منقطع ہو۔"

مسند:

مسند سند سے ہے جس کے معنی اعتماد کرنا بھروسہ کرنا سہارا وغیرہ کے ہیں سند کے بارے میں محدثین کے تین مختلف نظریات ہیں۔

❁ ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ مسند وہ ہے جس کی سند حضور اکرم ﷺ تک متصل ہو لہذا مسند مرفوع متصل کا نام ہے یہی رائے محمد بن عبداللہ نیشا پوری المعروف امام حاکم کا بھی ہے اور اس کو خطیب بغدادی نے اکثریت کی رائے قرار دیا۔

❁ دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ سند وہ ہے جس کی سند متصل ہو لیکن مروی عنہ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ ہو صحابی و تابعی تک متصل سند والی روایت کومسند کہا جائے گا۔

❁ تیرا نقطہ نظر یہ ہے کہ مسند وہ ہے جس کی سند حضور اکرم ﷺ لیکن اسکے لیے اتصال شرط نہیں۔

مقدمہ

فصل: ومن أقسام الحديث: الشاذ والمنكر و المعلل والشاذ فى اللغة: من تفرد من الجماعة وخرج منها، وفى الاصطلاح: ماروى مخالفا لما رواه الثقات فإن لم رواته ثقة فهو مردود، وإن كان ثقة فسبيله الترجيح بمزيد حفظ وضبط أو كثرة عدد ووجوه أُخر من الترجيحات، افالراجح يسمى محفوظا والمرجوع شاذا والمنكر حديث رواه ضعيف مخالف لمن هو اضعف منه، ومقابله المعروف فالمنكر والمعروف كلا روايهما ضعيف وأحدهما اضعف من الاخرو.وفى الشاذوالمحفوظ قوى أحدهما اقوى من الاجر والشاذ والمنكرموجو والمحفوظ والمعروف راجحان وبعضهم لم يشترطوا فى الشاذ والمنكر قيد المخالفة لراو آخر قويا كان اوضعيفا.وقالوا :الشاذ مارواه

الثقة وتفرد به ولا يوجد له أصل موافق ومعاضد له .وهذا صادق على فرد ثقة صحيح و بعضهم لم يعتبروا والثقة والا المخالفة وكذلک المنكر الم يخصوه بالمصورة المذكورة و سموا حديث المطعون بفسق أوفرط غفلة وكثرة غلط منكراً.وهذا اصطلاحات لا مشاحة فيها،

''فصل: اقسام حدیث میں شاذ منکر معلل بھی ہیں۔ شاذ لغت میں اس شخص کو کہتے ہیں جو جماعت سے علیحدہ ہو گیا ہو اور اصطلاح میں اس حدیث کو جو ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہو اگر اس کے راوی ثقہ نہیں تو وہ مردود ہے اگر ثقہ ہیں تو اس میں حفظ وضبط اور کثرت تعداد کے اعتبار سے ترجیح دینے کی کوشش کی جائے گی۔ راجح کا نام محفوظ اور مرجوع کا نام شاذ ہے اور منکر وہ حدیث جس کو ضعیف راوی نے روایت کیا ہو اور مخالف ہو اس روایت کے جس کا راوی ضعیف ہے منکر کا مقابل معروف ہے منکر اور معروف ان دونوں میں سے ہر ایک کے راوی ضعیف ہوتے ہیں لیکن ایک دوسرے سے زیادہ ضعیف ہوتا ہے۔ اور شاذ و محفوظ میں راوی قوی ہوتے ہیں لیکن ایک دوسرے سے زیادہ قوی ہوتا ہے شاذ اور منکر مرجوح ہوتے ہیں اور محفوظ و معروف راجح ہوتے ہیں بعضوں نے شاذ اور منکر میں کسی راوی کی مخالفت کی خواہ وہ قوی ہو یا ضعیف قید نہیں لگائی اور کہا کہ شاذ وہ حدیث ہے کہ جسے ثقہ نے روایت کیا ہو اور اکیلے روایت کیا ہو اس کی موافقت اور حمایت میں کوئی اصل نہ ہو اور یہ صحیح و ثقہ پر بھی صادق آتا ہے بعضوں نے ثقہ اور مخالفت کا اعتبار نہیں کیا اور اس طرح منکر میں صورۃ مذکورہ کا بھی لحاظ نہیں رکھا ہے اور اس حدیث کا جو فسق اور فرط غفلت یا کثرہ غلط کے ساتھ مطعون ہو منکر نام رکھا یہ اصطلاحات ہیں اس لیے اس میں مضائقہ نہیں۔''

شاذ ومحفوظ: حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

فان خولف یار حج منه لمزید ضبط او کثرة عدداوغیر ذلک من وجوه الترجیحات فالراجح یقال له "المحفوظ" و مقابله وهو المرجوح یقال له الشاذ.

"اگر اپنے سے زیادہ راجح کی مخالفت کی گئی اس حال میں کہ راجح میں ضبط کی زیادتی ہو یا راویوں کی تعداد کثیر ہو یا وجوہ ترجیحات میں دیگر وجوہ (ملا راوی کا فقہ۔ علوسند۔ یا اس روایت کا اس کتاب میں ہونا جوامت کے نزدیک مقبول ہیں) تو ایسی صورت میں راجح کی روایت کو محفوظ اور اس کے مقابلے میں مرجوح کو شاذ کہا جائے گا۔"[1]

اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے امام ترمذی امام نسائی اور امام اب ماجہ نے روایت کیا ہے۔

ابن عینیه عن عمرو بن دینار عن عوسجه عن ابن عباس ان رجلا توفی علی عهد النبی ﷺ یدع وارثا الا مولیٰ هو اعقته فا عطاء النبی ﷺ میر اثه.

"ابن عینیہ عمرو بن دینار سے اور وہ بذریعہ عوسجہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے عہد میں فوت ہوا اور اس نے اپنے پیچھے آزادہ کردہ غلام کے سوا کوئی وارث نہ چھوڑا تو نبی ﷺ نے اس کی وراثت اس آزاد کردہ غلام کو دے دی۔"[2]

معروف ومنکر:

منکر کی تعریف کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں۔

ضمنی فحش غلطه او کثرت غفلة اوظهر نسقه محدیثه منکر

---

① نزهة النظر ص ٦٨. ② ترمذی کتاب الفرائض.

''اگر راوی فحش غلطی یا کثرت غفلت کا مرتکب ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو جائے تو اس کی حدیث منکر ہوگی۔''[1]

منکر اور شاذ کا فرق:

دونوں میں من وجہ کی نسبت ہے مخالف دونوں میں شرط ہے فرق یہ ہے کہ شاذ کا راوی مقبول ہو اور منکر کا راوی ضعیف حافظ ابن صلاح منکر و شاد میں فرق نہیں کرتے اور دونوں کو مترادف قرار دیتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی علامہ جلال الدین سیوطی اور دیگر محدثین حافظ ابن صلاح سے اختلاف کرتے ہیں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں جس نے منکر و شاذ و دونوں کو ایک سمجھا اس سے غفلت کا ثبوت دیا۔

منکر کے مقابل معروف:

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں حدیث منکر کی' دو تعریفیں ہیں ایک وہ تعریف جو حافظ برویجی سے منقول ہے اور دوسری تعریف یہ ہے کہ وہ فرد حدیث ہے مسئلے راویوں میں کوئی ثقہ اور صاحب اتقان راوی نہ ہو جو اس تغر کا حامل ہو۔

حافظ برزیجی کی تعریف علامہ نوری کیوں لکھتے ہیں۔

قال الحافظ البرويجى هو الفرد الذى لا يعرف متنه عن غير راويه و كذا اطلقه كثيرون و الصواب فيه التصيل الذى فى شاذ.

''حافظ برویجی نے کہا منکر اس فرد حدیث کو کہتے ہیں جس کا متن اس راوی کے علاوہ ایسے کی راوی سے معروف نہ ہو اکثر علما نے منکر کی طرح مطلق بیان کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس میں شاذ والی تفصیل ہے۔''[2]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

ان وقعت المخالفه مع االضعف فالراجح يقال له المعروف ومقابله يقال له المنكر.

---

[1] نزهة النظر ص٥٦. [2] تقريب النوواى مع التدريب.

''اگر ضعف کے ساتھ مخالفت ہو تو راجح کو معروف اور اس کے مقابل کو منکر کہا جائے گا۔''[1]

حدیث معلل:

حافظ ابن حجر عسقلانی نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں۔

ان اطلع علی الوھم بالقرآئن الدالة علی وھم روایه من وصل مرسل اومنقطع اوادخال حدیث فی حدیث اونحوذلک من الاشیاء القادیة ویحصل معرفة ذلک بکثرة التتبع وجمع الطرق فھذا اھو المعلل.

''اگر قرآئن سے راوی کے اس وہم پر اطلاع ہو جائے کہ وہ مرسل یا منقطع کو موصول قرار دیتا یا ایک حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کر دیتا ہے اس قسم کے اوہام (مثلاً موصول کو مرسل قرار دینا یا موقوف کو مرفوع قرار دینا وغیرہ) جو حدیث میں طعن کا سبب ہیں اور اس کی معرفت تب ہوتی ہے جب اسی حدیث کی تمام سندوں پر عبور حاصل کر لیا جائے تو یہ حدیث معلل ہے۔''

حدیث کی علت معلوم کرنے کے لیے فہم دقیق وسعت علم اور مضبوط قوت حافظے کی ضرورت ہے اس لیے کہ علت اک پوشیدہ چیز ہے جس کا پتا بسا اوقات علوم حدیث میں مہارت رکھنے والوں کو بھی نہیں چلتا حافظ ابن حجر نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں۔

''یہ حدیث کے نہایت دقیق اور مشکل علوم میں سے ہے علت کی پہچان میں صرف وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے روشن دماغی قوت حافظہ مراتب رواۃ کی پہچان اسانید اور متون میں مہارت تامہ سے نوازا ہو۔''

حدیث معلل کی معرفت:

بعض اوقات القاء ربانی اور شرح صدر کی بنا پر معلل حدیث کی کسی خفیہ علت کا پتا چل

---

[1] نزھة النظر صفحه ٦٩.

جاتا ہے حافظ ابن حجر نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معلل کی عبارت اس کے دعویٰ پر دلیل قائم کرنے سے قاصر رہے گا جیسے صراف درہم و دینار کے پرکھ میں کھوٹ کو پہچانتے ہیں لیکن نشاندہی نہیں کر سکتے۔

علامہ جلال الدین سیوطی تدریب الراوی میں لکھتے ہیں کہ۔

''جب عبدالرحمٰن بن مہدی سے کہا گیا آپ کسی حدیث کو صحیح اور کسی کو ضعیف ٹھہراتے ہیں آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے فرمایا اگر تم کسی صراف کو اپنے درہم و دینار دکھاؤ اور وہ کہے یہ کھرے ہیں یہ کھوٹے ہیں تو آیا تم اس کی بات تسلیم کرو گے یا اس کی دلیل طلب کرو گے؟ سائل نے کہا میں اس کی بات مان لوں گا، ابن عبدالرحمٰن نے کہا تو حدیث کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے کیونکہ اس میں طویل صحت مناظرہ۔ طویل علمی نشتوں اور مہارت کی ضرورت ہے۔'' [1]

اسی طرح امام حاکم معرفت علوم الحدیث اور امام سخاوی فتح المغیث میں یہ لکھتے ہیں۔

''عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ حدیث کی ایک پہچان الہام ہے اگر تم علل حدیث کے عالم سے کہو کہ فلاں حدیث کے معلل ہونے کی کیا وجہ ہے تو وہ اس کا جواب نہ دے سکے گا۔''

راجح والمرجوح:

وہ دو مقبول حدیثیں جن کو جمع کرنا بھی ممکن نہ ہو ان میں سے کسی کا بھی مقدم اور موخر ہونا بھی پتا نہ چل سکے مگر ایک حدیث کو کسی وجہ سے ترجیح دی جا سکے تو وہ حدیث راجح اور دوسری مرجوح ہوگی۔

مقدمہ

"والمعلل بفتح اللام إسناد فيه علل وأسباب غامضة خفية قادحة فى الصحة يتنبه لها الحذاق المهرة من أهل هذاالشأن

---

[1] تدریب الراوی جلد ۱ ص ۲۱۲.

کإرسال فی الموصول ووقف فی المرفوع ونحوذلک، وقد یقتصرعبارة المعلل بکسر اللام عن إقامة الحجة علی دعواه کالصیر فی فی نقدالدنیاروالدرھم ،وإذ اروی راوٍ حدیثا وروی راوٍ آخر حدثنا موافقاله یمسی ھذا الحدیث مُتابعاًبصیغة اسم الفاعل وھذا معنی مایقول المحدثون تابعه فلان وکثیرا مّایقول البخاری فی صحیحه ویقولون وله متابعات والمتابعة ،والمتابعة یوجب التقویة والتابیدوالایلزم أن یکون المتابِع مساویا فی المرتبة للاصل وان کان دونه یصلح المتابعة والمتابعة قدیکون فی نفسی الراوی وقدیکون فی شیخ فوقه، والاول اتم وأکمل من الثانی لا ن الوھن فی اوّل الاسناد اکثر واغلب والمتابع إن وافق الاصل فی اللفظ والمعنی یقال مثله :وان وافق فی المعنی دون اللفظ یقال نحوه، ویشترط فی التابعة ان یکون الحدیثان من صحابی احدوإن کانا من صحابیین یقال له شاھد کما یقال له: شاھد من حدیث ابی ھریرة ویقال له: شواھد ویشھدبه حدیث فلان وبعضھم یخصون المتابعة بالموافقه فی اللفظ، والشاھد فی المعنی سواء کان من صحابی واحدوأمن صحابیین. وقد یطلق الشاھد والمتابع بمعنی واحد، والا من فی ذلک بین وتتبع طرق الحدیث وأسانیدھا لقصه معرفة المتابع الشاھد یمسی الاعتبار"

''معلل (بفتح لام) وہ اسناد ہے جس میں صحت کو مجروح کرنے واخفی اسباب پائے جاتے ہوں جس سے علم حدیث کے ماہرین کی ہی واقفیت حاصل ہوسکتی ہے جیسے موصول کا مرسل کرضیاء اور مرفوع کا موقوف کردینا معلل (بکسر

الام) کی عبارت کبھی اپنے دعویٰ پر دلیل پیش کرنے سے قاصر رہتی ہے جیسے دینار اور درہم کے پرکھنے میں صراف اپنے دعوے پر دلیل نہیں پیش کر سکتا۔
ایک راوی اگر کوئی حدیث بیان کرے اور دوسرا راوی دوسری حدیث بیان کرے جو اس کے موافق ہو تو اس حدیث کو متابع (بصیغہ اسم فاعل کہیں گے محدثین کے قول تابعہ فلاں اور امام بخاری جو صحیح بخاری میں اکثر فرماتے ہیں اور اکثر محدثین بھی کہتے ہیں کہ "ولہ ومتابعات" تو اس کے معنی یہی ہیں متابعت تقویت اور تائید کو واجب کرتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ متابع مرتبہ میں اصل کے برابر ہو اگر مرتبہ میں کم ہو تو بھی متابعت کی صلاحیت رکھتا ہے
متابعت تقویت اور تائید کو واجب کرتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ متابع مرتبہ میں اصل کے برابر ہو اگر مرتبہ میں کم ہو تو بھی متابعت کی صلاحیت رکھتا ہے
متابعت کبھی نفس راوی میں ہوتی ہے اور کبھی راوی کے شیخ میں ہوتی پہلا ہے دوسرے سے اکمل اور اتم ہے اس لیے کہ کمزوری اوّل اسناد میں اکثر ہوتی ہے متابع اگر لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے اصل کے موافق ہو تو مثلہ کہتے ہیں اور اگر صرف معنی میں موافق ہو لفظ میں نہ ہو تو نحوہ کہتے ہیں متابعت کے لیے شرط یہ ہے کہ دونوں حدیثیں ایک ہی صحابی سے ہوں اگر دو صحابیوں سے ہوں تو اسے شاہد کہیں گے مثلاً کہا جائے کہ لہ شاہد من حدیث ابی ھریرۃ نہ کہا جائے۔ لہ شواھد یا یشھد بہ حدیث فلاں کہا جائے بعضوں نے متابعت کو لفظی موافقت اور شاہد کو معنوی مموافقت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے خواہ وہ ایک صحابی سے منقول ہو یا دو صحابی سے منقول ہوں اور کبھی شاہد و متابع ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتا ہے جس کی وجہ ظاہر ہے متابع اور شاہد کے جاننے کی غرض سے طرق حدیث اور اس کے اسناد کا تتبع اور تلاش اعتبار کہا جاتا ہے۔

متابع

لغوی تعریف:

تابع سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں وافق کے ساتھ موافقت کی اور شریک ہوا۔

اصطلاحی تعریف:

غریب اور متفرد حدیث کے راوی لفظ اور معنی میں یا صرف معنی میں دوسرے راوی کی موافقت اور مشارکت کریں جب کہ صحابی ایک ہو تو اسے متابع کہتے ہیں۔

متابعت کی دو قسمیں ہیں:

⊙ متابعت تامہ ⊙ متابعت قاصرہ

(۱) متابعت تامہ:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ متابعت تامہ کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

وان حصلت للراوی نفس فهی التامه.

"اگر یہ موافقت راوی کو حاصل ہو تو یہ تامہ ہوگی۔"[1]

(۲) متابعت قاصرہ:

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ متابعت قاصرہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

وان حصلت لشیخه فمن تو فه فهی القاصره.

"اگر راوی کے شیخ یا اوپر کے کسی راوی کی متابعت ثابت ہو جائے تو یہ قاصرہ ہوگی۔"[2]

"شاہد"

لغوی تعریف:

شھادۃ سے اسم فاعل کا صیغہ سے اس کا نام شاہد اس لیے ہے کہ وہ اس حدیث کی گواہی

---

① نزهة النظر صفحه ۷۰. ② نزهة النظر صفحه ۷۰.

دینا ہے اسے محفوظ اور قوی کرنا ہے، جس طرح کہ گواہ مدعی کی بات کو قوی کرتا اور اس کا سہارا دیتا ہے۔

اصطلاحی تعریف:

غریب اور مفرد حدیث کے راوی کے لفظ اور معنی میں یا صرف معنی میں دوسرے راوی موافقت اور مشارکت کریں بشرطیکہ صحابی مختلف ہوں ایسی حدیث کو شاہد کہتے ہیں۔

''اعتبار''

لغوی تعریف:

اعتبر سے مصدر ہے اعتبار کے معنی ہیں کسی اُمور اور اشیاء میں غور کرنا تاکہ ان کی جنس کی دوسری چیزیں معلوم کی جائیں۔

اصطلاحی تعریف:

جوامع مسانید اور اجزاء میں اس غرض سے تتبع کرنا کہ حدیث فرد کے لیے کوئی متابع یا شاہد مل جائے اعتبار کہلاتا ہے۔

مقدمہ

فصل :وأصل اقسام الحديث ثلاثة :صحيح و حسن ضعيف فالصحيح أعلىٰ مرتبة، والضعيف أدنى. والحسن متوسط وسائر الاقسام التى ذكرت داخلة فى هذا الثلاثة :فالصحيح يثبت بنقل عدل تام الضبط غير معلّل و لا شاذ فإن كانت هذه الصفات على وجه الكمال والتمام فهو الصحيح لذاته. وان كان فيه نوع ووجد مايجبر ذلک القصور من كثرة الطرق فهو الصحيح لغيره. وإن لم يوجد فهو الحسن لذاته، وما فقد فيه الشرائط المعتبرة فى الصحيح كلا او بعضا فهو الضعيف

والضعيف إن تعدد طرقه وانجبر ضعفه يمسّٰى حسنا لغيره:
وظاهر كلامهم انه يجوزأن يكون جميع الصفات المذكورة فی
الصحيح ناقصا فی الحسن لكن التحقيق أنَّ النقصان الذی اعتبر
في الحسن انما هو بخفة الضبط وباقی الصفات بحالها.

''فصل: دراصل حدیث کی تین قسمیں ہیں (۱) صحیح (۲) حسن (۳) ضعیف مرتبہ کے لحاظ سے صحیح اعلیٰ ہے ضعیف ادنی ہے اور حسن متوسط درجہ ہے اور جتنی قسمیں اوپر بیان کی گئیں وہ ان تینوں قسموں میں داخل ہیں۔ صحیح وہ حدیث ہے جس کا ناقل عادل تام الضبط ہو جو نہ تو معلل ہو اور نہ شاذ ہو اگر یہ صفات علی وجہ الکمال پائے جاتے ہوں تو وہ صحیح لذاتہ ہے اور اگر اس میں کسی قسم کا نقص ہو اور کثرت طرق سے ان نقصان کی تلافی ہو جائے تو وہ صحیح لغیرہ ہے اور اگر اس نقص کی تلافی کرنے والی کوئی چیز نہ موجود ہو تو وہ حسن لذاتہ ہے اور صحیح میں جو شرائط معتبر ہیں اس میں کے کل یا بعض اگر کسی حدیث میں مفقود ہوں تو وہ حدیث ضعیف ہے اگر ضعیف حدیث متعدد طرق سے منقول ہو اور اس کے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہے یہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام صفات جو صحیح میں بیان کیے گئے وہ حسن میں ناقص ہوتے ہیں لیکن تحقیق یہ ہے کہ حسن میں جس نقصان کا اعتبار کیا گیا ہے وہ صرف خفت ضبط ہے ورنہ باقی صفات اپنی جگہ پر رہتے ہیں۔

❁ صحیح لذاتہ ❁ صحیح لغیرہ ❁ حسن لذاتہ ❁ حسن لغیرہ

صحیح الذات:

حافظ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نے اس کی تعریف ان الفاظ میں لکھی ہے۔

(وخير الاحاد بنقل عدل تام الضيط متصل السندغير معلل ولا
شاذ هو الصحيح لذاته)

''اور خبر واحد جب عادل اور کامل الضبط راویوں سے مروی ہو اس کی سند متصل ہو اور معلل اور شاذ ہونے سے محفوظ ہو تو وہ صحیح لذاتہ ہوگی۔''[1]

حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ حاذی حدیث صحیح کے راوی کی شرائط یوں بیان کرتے ہیں۔

حدیث صحیح کے لیے چند شرائط ہیں:

❁ پہلی شرط اِسلام ہے کیونکہ مشرکین کی روایت کتاب سنت اور اجماع سے مردود ہے البتہ اگر کسی شخص نے حالت شرک میں کوئی روایت سنی پھر اس کو اِسلام قبول کرنے کے بعد روایت کیا تو اِس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

❁ دوسری شرط عقل ہے کیونکہ بچہ اور مجنون کی روایت مقبول ہوتی ہے نہ شہادت۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ سونے والا حتی کہ بیدار ہو جائے۔ بچہ حتی کہ بالغ ہو جائے اور مجنون حتی کہ اس کی عقل صحیح ہو جائے۔

❁ تیسری شرط صدق ہے کیونکہ جھوٹا شخص یا تو حدیث میں جھوٹ بولے گا تو اس کی حدیث مردود ہے خواہ وہ توبہ کر لے۔ اور یا وہ شخص لوگوں سے جھوٹ بولے گا اس کی حدیث بھی مردود ہے۔ اس طرح جو شخص تلقین کو قبول کرنے میں مشہور ہو اور جس شخص کا روایت کرنے میں تساہل مشہور ہو اس کی حدیث بھی مردود ہے۔

❁ اس حدیث کا راوی مدلس نہیں ہونا چاہیے۔

❁ اس حدیث کا روی عادل ہونا چاہیے۔ عدالت سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا ہو اور ممنوعات سے اِجتناب کرتا ہو اور صرف یہ کافی نہیں ہے کہ وہ کبائر سے مجتنب ہو بلکہ صغائر پر اصرار کرنے سے بھی مجتنب ہو۔ اور ثبوت عدالت کے بعد اس میں کوئی ایسی چیز نہ پائی جائے جو عدالت کے منافی ہو۔ اِن شرائط کے پائے جانے کے بعد اِس میں حسبِ ذیل شرائط کا مزید پایا جانا ضروری ہے۔

✳ اہلِ علم میں اس شخص کی یہ شہرت ہو کہ وہ حدیث کا طلب ہے اور حدیث کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔

---

[1] نخبة الفکر :٥٤.

* اس شخص نے علماء حدیث سے سن کر احادیث روایت کی ہوں کتابوں سے دیکھ کر نہیں۔
* سماع حدیث کے وقت سے اس کو وہ حدیث منضبط ہو اور اپنے شیخ سے اس روایت کی اس کو تحقیق ہو اور تدلیس نہ ہو۔
* وہ شخص حاضر دماغ اور بیدار مغز ہو اور اس پر غفلت طاری نہ ہوتی ہو۔
* اس شخص کو غلطی اور وہم بہت کم عارض ہوتا ہو۔ کیونکہ جو شخص کثیر الغلط اور وہمی ہوگا اس کی حدیث مردود ہوگی۔
* وہ شخص سنجیدہ اور باوقار ہو۔
* وہ شخص خودرائے نہ ہو اور بدعت سے مجتنب ہو کیونکہ بدعتی کی وہ روایت مقبول نہیں ہوتی جو اس کی بدعت کی موید ہو۔

حدیث صحیح کے راوی کے یہ جامع اوصاف ہیں اور ان کے توابع اور لواحق ہیں جن کا پورا علم مہارت تامہ کے بعد ہی ممکن ہے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی کی تعریف پر ہی جمہور محدثین کا اتفاق ہو۔

محدثین نے ان تمام صفات کی وضاحت کی ہیں جو صحیح حدیث کے لیے ضروری ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

والمراد بالعدل من له ملكة تحمله على ملازمة التقوى والمرؤة والمراد بالتقوى والمرؤة والمراد بالتقوى اجتاب الاعمال الشية من شرك اوفسق اوبدعة.[2]

عدالت:

حافظ ابن حجر نے جو تعریف بیان کی ہے اس کی پہلی شرط راویوں کا عادل ہونا انہوں نے عدل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا۔

عادل سے مراد جو شخص جسے وہ قوت راسخہ حاصل ہو جو اسے تقوی اور مروت پر آمادہ کرے اور تقویٰ سے مراد شرک۔ فسق اور بدعت جیسے برے اعمال سے اجتناب ہے۔

---

① شروط الائمه الخمسة. ② نزهة النظر ص ٥٥.

ضبط:

دوسری شرط راوی کا کامل الضبط ہونا۔

ضبط کے معنی: مکمل محفوظ کرنے کی صلاحیت۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ اس میں ''تام'' کی شرط لگائی گئی ہے مطلب یہ ہے ضبط اعلیٰ درجہ کا ہو ضبط کی دو قسمیں ہیں۔

❁ ضبط حدر ❁ ضبط کتاب

(۱) ضبطِ حدد:

اتنی اچھی طرح یاد کر لینا کہ بغیر کسی جھجک کے بیان کر سکے اور اُس میں کوئی مشکل نہ ہو۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ ضبط حدد کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

وھو ان یثبت ما سمعه یحبت یتمکن من استحضاره متی شاء.

ضبطِ قلبی سے مراد یہ ہے کہ راوی نے جو کچھ سنا ہے اس قدر راسخ ہو جائے وہ جب چاہے پیش کر دے۔

(۲) ضبط کتاب:

اتنی اچھی طرح لکھ رکھنا اور لکھے ہوئے کی تصحیح کر لینا کہ کوئی شبہ نہ رہے۔ ضبط کتاب کے بارے میں ابنِ حجر لکھتے ہیں۔

"وھو صیانته لدیه منذ سمع فیه وصحیحه الی ان یو دی منه."[②]

ضبط کتاب سے مراد اروی کا سننا اور درست کرنے کے بعد اپنے پاس محفوظ رکھنا یہاں تک کہ دوسرے راوی تک پہنچا دے۔

اتصالِ سند:

حافظ ابن حجر ''نزھۃ النظر'' میں اتصال سند کے بارے میں لکھتے ہیں۔

والمتصل وما سلم اسناده من سقوط فیه بحیثیت یکون کل من رجال ذلک المروی من شیخه.

---

① نزھۃ النظر ص ۵۵. ② نزھۃ النظر ۵۵.

"اتصال سند سے مراد وہ سلسلہ رواۃ ہے جس میں کوئی راوی ساقط نہ ہو اور ہر ایک نے اپنے شیخ سے سنا ہو۔"[1]

غیر معلل:

یعنی اس حدیث میں کوئی علت خفیہ قارحہ نہ ہو جس کی وجہ سے حدیث کی صحت پر اثر پڑے جیسے مرسل کو متصل بیان کر دینا۔

حافظ ابن حجر اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

"والمعلل لغة مافيه علة واصطلاحا مافيه علة خفية قادحة"[2]

معلل کے لغوی معنی جس میں بیماری ہو اور اصطلاحات مطل وہ ہے جس میں کوئی علت خفیہ قادحہ ہو۔

حدیث معلل اور علل قادحہ کے بارے میں تفصیلاً اگے بیان کیا جائے گا ان شاء اللہ عز وجل۔

شاذ: حافظ ابن حجر نے شاذ کی تعریف یوں بیان کی ہے۔

والشاذ لغة الفرد واصطلاحا مايخالف فيه الرادى من هو ارحج منه،

اور شاذ کے لغوی معنی تنہا کے ہیں اور اصطلاح میں شاذ سے مراد راوی کا اپنے سے زیادہ ثقہ اور ارجح راوی کی مخالفت کرنا۔[3]

صحیح لیغرہ:

حدیث صحیح لیغرہ میں صحیح کی اعلیٰ صفات نہیں ہوتیں جب کہ ان کی کمی دیگر اسناد سے پوری ہو جاتی ہے تو اس تقویت کی وجہ سے صحیح لیغرہ کہلاتی ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ان وجد ماينجبر ذلک القصور ككثرة الطرق فهو الصحيح لكن لا لذاته وحيث لاجبران فهو الحسن لذاته.

---

[1] نذهة النظر ص ٥٦. [2] نزهة النظر ص ٥٦. [3] نزهته النظر مع ٣٣.

''اگران صفات کی کمی کثرت طرق سے پوری ہوگی تو وہ صحیح لیغرہٖ ہوگی اور اگر کمی پوری نہ ہوتو وہ حسن لذاتہ ہوگی۔''①

حدیث حسن لذاتہ

لغوی تعریف:

یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں جمال اور خوبصورتی۔

اصطلاحی تعریف:

حسن کی تعریف میں اختلاف ہے ہم یہاں بھی حافظ ابن حجر کی تعریف نہ جوکہ مختار ہے نقل کرتے میں۔

فان خفه الضبط مع بقية الشروط المتقدمه فى الصحيح فهو الحسن لذاته لالشئي خارج .

''اگر ضبط ناقص ہولیکن صحیح کی تعریف میں بیان کردہ جملہ شرائط موجود ہوں تو وہ حسن لذاتہ ہوگی۔''②

حافظ ابن الصلاح نے بعض متاخرین کے حوالے سے حدیث حسن کی یہ تعریف لکھی۔

الحديث الذى فيه ضعف قريب محتمل هو الحديث الحسن ويصلح للعمل به.③

حسن حدیث وہ یہ جس میں معمولی درجہ کا ضعف ہو اور محتمل بالصحت ہو اور یہ عمل کے قابل ہوگی۔

حدیث حسن لیغرہٖ:

حدیث حسن لیغرہٖ دراصل حدیث ضعف ہے جب وہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہو۔حافظ ابن حجر اس کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

---

① نزهة النظر ص ٣١. ② نزهة النظر ص ٤١،٤٠. ③ مقدمه ابن الصلاح ص ٣٠.

وھو الذی یکون حسنہ بسبب الاعتقاد نحو حدیث المستور اذا تعددن طرقہ.

''حدیثِ حسن لیغرہ وہ حدیث ہے جس کا حسن تقویت کی وجہ سے ہو مثلاً مستور الحال کی حدیث جس کی متعدد اسانید ہوں۔ ایک جگہ مزید لکھتے ہیں۔''①

وان قامت قرینۃ ترجح جانب قبول ما یتوفف فیہ قھو الحسنی ایضا لکنی لالذاتہ.

''اور اگر موقف فیہ حدیث کی قبولیت پر کوئی قرینہ قائم ہو جائے تو وہ حدیث بھی حسن ہوگی۔ لیکن لذاتہ نہیں (یعنی لیغرہ ہوگی)۔''②

مقدمہ

"والعدالة ملكة فى الشخص تحمله على ملازمة التقوى والمروء ة والمراد بالتقوى اجتناب الاعمال السيئة من الشرك، والفسق، والبدعة وفى الاجتناب عن الصغيرة خلاف، والمختار عدم اشتراط بخروجه عن الطاقة إلاالاصرار عليها لكونه كبيرة، والمراد بالمروء ة التنزه عن بعض الخصائص والنقائص التيى هى خلاف مقتضى الهمة، والمروة مثل بعض المباحات الدينية ك: الا كل والشرب فى السوق والبول فى الطريق وامثال ذلك وينبغى أن يعلم أنَّ عدل الرواية أعم من عدل الشهادة، فان عدل الشهادة مخصوص بالحُرَّ وعدل الرواية يشتمل الحروالعبد، والمراد ب: الضبط حفظ المسوع وتثبيته من الفوات والا ختلال بحيث يتمكن من استحضاره وهو قسمان :
(ا) ضبط الصد ر(٢) وضبط الكتاب فضبط الصدر بحفظ القلب ووعيه،فضبط الكتاب بصيانته عنده إلى وقت الاداء"

① نزهة النظر ص ٤١. ② نزهة النظر ص ٣٦.

"عدالت اس ملکہ کا نام ہے جو انسان کو تقوی کے التزام پر آمادہ کرتا ہے اور تقویٰ سے مراد برے اعمال مثلاً شرک فسق اور بدعت سے بچنا ہے گناہ صغیر سے بچنے کے متعلق اختلاف ہے مذہب مختار ہے کہ یہ شرط نہیں اس لیے کہ اس سے بچنا انسانی طاقت سے باہر ہے بجز اصرار کی صورت میں کہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور مروت سے مراد ہے بعض خسیس اور چھوٹی باتوں سے بچنا جو ہمت اور مروت کے خلاف جیسے بازار میں کھانا راستہ میں پیشاب کرنا وغیرہ۔ ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے کہ روایت کی عدالت شہادت کی عدالت سے عام ہے اس لیے کہ عدل شہادت آزاد کے ساتھ مخصوص ہے اور عدل روایت آزاد و غلام دونوں کو شامل ہے اور ضبط سے مراد ہے سنی ہوئی چیز کو خلل اور ضائع ہونے سے محفوظ رکھنا اور اس طور پر کہ اس کا حاضر کرنا ممکن ہے ضبط کی دو قسمیں ہیں ضبط صدر ضبط کتاب۔ ضبط صدر تو قلب کے محفوظ رکھنے کا نام ہے اور ضبط کتاب ادا (یعنی دوسروں تک پہنچانے) کے وقت تک اس کے محفوظ رکھنے کا نام ہے۔

عدالت:

حافظ ابنِ حجر عدل کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں۔

والمراد بالعدل من له مكه تحمله على ملازمة التقوى والمروة

"عادل سے مراد وہ شخص ہے جسے قوتِ راسخہ حاصل ہوا اور اسے تقویٰ اور مروت پر آمادہ کرے۔"[1]

خطیب بغدادی الکفایہ میں عدالت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ان العدل هو من عرف باداء فرائضه ولزوم مامربه، وتوقى مانهى عنه. وتجتنب الفواحش المسقطه. وتحرى الحق والواجب فى افعاله ومعاملته والتوقى فى لفظه ممايثلم الدين والمروء ة

[1] شرح بزهة النظر ص ٣٢.

فمن كانت منه حاله فهو الموصوف بانه عدل في دينه ومعروف بالصدق في حديثه وليس يكفيه في ذلك اجتناب كبائر الذنوب التي يمسى فاعلها فاسقا. حتى يكون مع ذلك متوقيا لما يقول كثير من الناس انه لا يعلم ان كبير. بل يجوز ان يكون صغيراء"

"عادل وہ شخص ہے جسے فرائض کی ادائیگی اور مامور بہ کے لازم ہونے کی معرفت حاصل ہو۔ منہیات سے بچے اور گھٹیا قسم کے فواحش سے اِجتناب کرے اور افعال و معاملات میں حق اور واجب کی جستجو میں رہے۔ اور ایسی گفتگو سے پرہیز کرے جس سے دین و مروت مجروح ہو۔ جس کی یہ صوت حال ہوتو وہ اس سے متصف ہوگا کہ وہ اپنے دین میں عادل ہے اور اپنی گفتگو میں صداقت کے لیے معروف ہے اور اس میں ایسے کبیرہ گناہوں سے اجتناب کافی نہیں ہے جن کا مرتکب فاسق گردانا جاتا ہے جب تک وہ اس کے ساتھ ان گناہوں سے بھی اجتناب نہ کرے جو لوگوں میں کبیرہ نہیں سمجھے جاتے بلکہ اس کا امکان ہے کہ وہ صغیرہ گناہ ہوں۔"[1]

ضبط:

راوی کے لیے دوسری شرط اس کا نام "الضبط"، ہونا ہے ضبط کے معنی مکمل محفوظ رکھنے کی صلاحیت ہے یعنی راوی روایت کو مکمل محفوظ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔

❁ ضبط حدر ❁ ضبط کتاب ❁ ضبطِ حدر۔

ضبطِ حدر کے معنی یہ ہیں کہ اتنی اچھی طرح یاد کر لینا کہ بغیر کسی جھجک کے بیان کر سکے اور اس میں کوئی مشکل نہ ہو۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ضبط حدود کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

وهو ان يثبت ما سمعه بحيث يتمكن من استحضاره من شاء.[2]

---

① الکفایہ ص ۸۰۔ ② نزھۃ النظر ص ۵۵۔

ضبطِ قلبی سے مراد یہ ہے کہ راوی نے جو کچھ سنا ہے اس قدر راسخ ہو جائے وہ جب چاہے پیش کر دے۔

(۲) ضبط کتاب:

اتنی اچھی طرح لکھ رکھنا اور لکھے ہوئے کی تصحیح کر لینا کہ کوئی شبہ یا شک نہ رہے۔

ضبط کتاب کے بارے میں ابنِ حجر لکھتے ہیں۔

وهو صيانته لديه منذ سمع فيه وصحيحه الى ان يودى منه.[1]

ضبط کتاب سے مراد اروی کا سننا اور درست کرنے کے بعد اپنے پاس محفوظ رکھنا یہاں تک کہ دوسرے راوی تک پہنچا دے۔

مقدمہ

"فصل اما العدالة فوجوه الطعن المتعلقة بها خمس، الا ول بالكذب، والثانى اتهام الكتاب ،والثالث الفسق، والرابع الجهالة، والخامس البدعة، والمراد كذب الراوى، انّه ثبت كذبه فى الحديث النبوىﷺ إمَّا بإقرار الواضع أو بغير ذلک من القرائن، وحديث المطعون بالكذب يُسمَّى موضوعا ، ومن ثبت عنه تعمُّد الكذب فى الحديث وإن كان وقوعه فى العمرمرة وان تاب من ذلک، لم يقبل حديث أبدا، بخلاف شاهد الزورإذاتاب، فالمرادبالحديث الموضوع فى اصطلاح المحدثين هذا لا انه ثبت كذبه وعلم ذلک فى هذا الحديث بخَصوصه، والمسالة ظنية والحكم بالوضع والا فتراء بحكم الظن الغالب وليس إلى القطع واليقين بذلک سبيل فإن الكذوب قد يصدق، هذا يندفع ما قيل فى معرفة الوضع باقرار الواضع انه

① نزهة النظر۳۲.

یجوز أن یکون کاذبا فی ھذا الاقرار فإنه یعرف صدقه بغالب الظن ولو لا ذلک المّا ساغ قتل لارجم المعترف بالزنا فافھم"
"فصل: عدالت کے لیے وجوہ طعن پانچ ہیں۔(۱) کذب (۲) اتہام بالکذب (۳) فسق (۴) جہالت (۵) بدعت۔ کذاب راوی سے مراد یہ ہے کہ حدیث نبوی ﷺ میں اس کا جھوٹ بولنا ثابت ہوگیا ہو یا تو وضع کرنے والے کے اقرار کے ذریعے یا اس کے علاوہ دوسرے قرائن کے ذریعے سے ثابت ہوگیا ہو اور اس کی حدیث جو کذب کے ساتھ مطعون ہو موضوع ہے اور جس کے متعلق ثابت ہو کہ اس نے حدیث میں قصدا کذب سے کام لیا تو اس کی حدیث کبھی نہ مقبول ہوگی اگر چہ اس نے عمر میں ایک ہی بار ایسا کیا ہو اور توبہ بھی کر لی ہو بخلاف جھوٹے گواہ کے جب وہ توبہ کرلے تو محدثین کی اصطلاح میں حدیث موضوع سے مراد یہی ہے نہ کہ اس راوی کی حدیث جس سے کذب ثابت ہوا ہو اور وہ خاص اسی حدیث میں یہ مسئلہ ظنی ہے وضع اور افترا کا حکم ظن غالب کی بنا پر ہوتا ہے اس میں قطع اور یقین کی گنجائش نہیں اور جھوٹا شخص کبھی سچ بولتا ہے اس سے اس قول کا بھی رد ہو جاتا ہے کہ وضع حدیث کا علم واضع کے اقرار کی بنا پر ہو اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ اس اقرار میں بھی کاذب ہو اس کا سچا ہونا ظن غالب کی بنا پر سمجھا جائے گا اگر ایسا نہ ہوتا تو قتل کا اقرار کرنے والے کا قتل اور زنا کا اعتراف کرنے والے کا رجم جائز نہ ہوتا۔"
کبھی حدیث کو رد کرنے کے دو بڑے اسباب ہیں۔
❁ اسناد میں سقوط راوی ❁ راوی میں طعن

راوی میں طعن:

کسی حدیث کو رد کر دینے کا دوسرا سبب طعن راوی ہے محدثین راوی میں دس طعن کا ذکر کرتے ہیں پانچ کا تعلق راوی کی عدالت سے ہے۔ اور پانچ کا اس کے ضبط سے ان میں کچھ

شدید میں اور کچھ خفیف ذیل میں ہم ان کی تفصیل بیان کریں گے۔

راوی کی عدالت اور اس کی شخصیت سے متعلق پانچ طعن درجِ ذیل ہیں۔

* کذب * اتہام کذب * فسق * جہالت * بدعت

کذب:

طعن راوی میں سب سے شدید طعن کذب ہے حدیث نبوی ﷺ میں راوی کے کذب کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے وہ روایت بیان کرے جو آپ ﷺ نے نہیں کی۔ جس راوی پر کذب کا طعن ہو اس راوی کی روایت کو موضوع کہا جاتا ہے۔

موضوع:

حافظ ابن الصلاح اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وهو المختلق المصنوع

''وہ گھڑی ہوئی روایت ہے۔''[1]

ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

الموضوع هو الحديث الذى فيه الطعن بكذب الراوى.

''موضوع وہ حدیث ہے جس میں راوی کذب کی وجہ سے طعن ہو۔''[2]

حافظ ابن حجر عسقلانی موضوع روایات کے متعلق نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں۔

کسی حدیث کے موضوع ہونے کا حکم ظن غالب سے لگایا جاتا ہے اور قطعیت کے ساتھ کسی حدیث کو موضوع نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ کبھی جھوٹا آدمی بھی سچی بات کہتا ہے لیکن علماء حدیث کو ایسا قوی ملکہ حاصل ہوتا ہے جس سے وہ حدیث موضوع کو غیر موضوع سے متمیز کر لیتے ہیں۔ اور یہ ملکہ اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کو علمِ حدیث کی کامل اطلاع ہو اور اس کا ذہن روشن ہو اور اس کی فہم قوی ہو اور وہ حدیث موضوع کے قرائن سے اس کی معرفت حاصل کر کے۔ اور کبھی حدیث کے موضوع ہونے کا اس کے واضع کے اقرار سے علم ہو جاتا ہے ابن

---

[1] مقدمة ابن الاصلاح ص ٢٠. [2] شرح شرح نخبة الفكر صفحه ١٢٣.

دقیق العید نے کہا لیکن یہ بات قطعی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اپنے اقرار میں بھی جھوٹا ہو۔ اِس قول سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ واضع کے اقرار پر بالکل عمل نہیں کیا جائے گا۔ حالانکہ ابن دقیق العبید کی یہ مراد نہیں ہے انہوں نے صرف قطعیت کی نفی کی ہے اور کسی حدیث پر قطیعت کے ساتھ موضوع ہونے کا حکم نہ لگانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس پر ظن غالب سے بھی موضوع ہونے کا حکم نہ لگایا جائے اور یہاں معاملہ اسی طرح ہے اور اگر یہ جائز نہ ہوتا تو قاتل کے اقرار سے اس کو قتل کرنا اور زنا کے معترف کو رجم کرنا بھی جائز نہ ہوتا۔ کیونکہ یہاں بھی یہ احتمال ہے کہ وہ دونوں اپنے اعتراف میں جھوٹے ہوں۔

موضوع روایات کی معرفت:

حافظ ابن حجر عسقلانی نزھۃ النظر میں موضوع روایات کی معرفت کے بارے میں لکھتے ہیں:

جن قرائن سے حدیث کے موضوع ہونے کا علم ہوتا ہے ان میں سے ایک قرینہ کا حال یہ ہے کہ ایک مرتبہ مامون بن احمد کے سامنے یہ ذکر ہوا کہ آیا حسن بصری کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع ہے یا نہیں۔ تو ایک شخص نے اسی وقت نبی ﷺ تک سند بنا کر ایک حدیث سنا دی۔ اور اس نے کہا حسن نے حضرت ابو ہریرہ سے یہ حدیث سنی ہے۔ اسی طرح غیاث بن ابراہیم مہدی کے پاس گیا تو وہ کبوتروں سے کھیل رہا تھا اس نے اسی وقت نبی ﷺ تک ایک سند بنا کر کہا تیر اندازی شتر سواری۔ گھوڑے سواری اور پرندے کے سوا اور کسی چیز میں مقابلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

اس نے پرندوں کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا خلیفہ مہدی تاڑ گیا کہ اس نے اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بولا ہے۔ اس نے اسی وقت اس کبوتر کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ وہ حدیث نص قرآن مجید یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی یا عقل صریح کے خلاف ہو اور اس میں کسی طرح کی تاویل نہ ہو سکے۔ واضع کبھی تو حدیث کو خود بناتا ہے اور کبھی کسی اور کے کلام کو بطورِ حدیث پیش کرتا ہے۔

مثلاً بعض سلف صالحین۔ یا قدما۔ حکماء کے کلام کو یا اسرائیلیات کو یا کسی ضعیف حدیث کی ایک صحیح سند بنا لیتا ہے۔ تا کہ اس حدیث کی شہرت ہو۔ حدیث گھڑنے کا محرک اور باعث یا تو

بے دینی نہ جیسے زندیق لوگ یا غلبہ جہل۔ جیسے جاہل صوفیاء یا فرط عصبیت جیسے بعض مقلدین یا بعض رئیسوں کی خواہش پوری کرنے کے لیے یا کوئی انوکھی بات بیان کرنے کے شوق میں یا شہرت حاصل کرنے کے لیے۔

اور یہ تمام اُمور بالا جماع حرام ہیں اور اِس پر اتفاق ہے کہ نبی ﷺ پر عمداً جھوٹ بولنا گناہ کبیرہ ہے اور ابو محمد جوینی نے کہا وہ شخص کافر ہے جو نبی ﷺ پر عمداً جھوٹ باندھے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ موضوع روایت کو بیان کرنا حرام ہے ہاں یہ کہہ کر بیان کرسکتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ امام مسلم نے روایت کیا ہے نبی ﷺ نے فرمایا جس نے میری حدیث بیان کی حالانکہ اس کو علم تھا کہ یہ جھوٹ ہے وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔[1]

مقدمہ

"وأمَّااتّهام الراوى بالكذب فبأن يكون مشهورًا بالكذب، ومعروفايه فى كلام الناس، ولم يثبت كذب فى الحديث النبوى ﷺ،وفى حكمه رواية ما يخالف قواعد معلومةً ضروريةً فى الشرع كذاقيل ويسمى هذا القسم متروكا كما يقال: حديث متروك وفلان متروك الحديث، وهذا الرجل إن تاب وصحت توبته، وظهرت أمارات الصدق منه، جاز سماع الحديث، والذى يقع منه الكذب أحيانا نادراً فى كلامه غير الحديث النبوى ﷺ فذلک غير مؤثر فى تسمية حديثه بالموضوع اوالمتروک وإن كانت معصية ،وأمَّا الفسق فالمرادبه الفسق فى العمل دون الاعتقاد، فإن ذلک داخل فى البدعة واكثر ما يستعمل البدعة فى الاعتقاد الكذب، وإن كان داخلا فى الفسق لكنَّه عدوه اصلاً على حدة لطعن به أشد وأغلظ "

''راوی کا کذب کے ساتھ مہتم ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے ساتھ گفتگو میں جھوٹا مشہور ہو مگر اس کا کاذب ہونا حدیث نبوی میں ثابت نہ ہو اور

---

[1] شرح نخبة الفكر ص ٥٧.

اسی حکم میں اس شخص کی روایت بھی داخل ہے۔ شریعت کے قواعہ معلومہ کے خلاف ہو اسی قسم کے راوی کا نام متروک ہے جیسے یہ کہا جائے کہ اس کی حدیث متروک ہے یا فلاں شخص متروک الحدیث ہے اگر اس شخص نے توبہ کر لی ہو اور اس کی توبہ صحیح ہو سچائی کی علامات اس سے ظاہر ہوں تو حدیث کا سننا اس سے جائز ہے اور اگر شخص سے حدیث نبوی کے علاوہ گفتگو میں کبھی کبھی کذب واقع ہو تو یہ حدیث کو موضوع یا متروک کہنے میں اثر انداز نہیں ہوگا اگر چہ یہ معصیت ہے۔ فسق سے مراد عمل میں فسق ہے اعتقاد میں نہیں اس لیے کہ یہ بدعت میں داخل ہے اور اکثر بدعت کا استعمال اعتقاد میں ہوتا ہے اور کذب اگر چہ فسق میں داخل ہے لیکن اس کو علیحدہ ایک اصل شمار کیا ہے اس لیے کہ یہ شدید طعن ہے۔''

متروک:

طعن راوی کا دوسرا سبب اتہام کذب ہے اور راوی اگر متہم بالکذب ہو اس کی حدیث متروک ہوگی حافظ ابن حجر نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں۔

القسم الثانی من اقسام المردودهو مایکون بسبب تسمیة الراوی بالکذب.

''مردود کی دوسری قسم وہ حدیث ہے جو راوی میں کذب کی تہمت کی وجہ سے رد کی جاتی ہے اسے متروک کہتے ہیں۔''[1]

حافظ ابن حجر کے نزدیک اس کی دو صورتیں ہیں۔

"لایردی ذلک الحدیث الامن جهته ویکون مخالفا للقواعد المعلومة"

''پہلی قسم یہ ہے کہ حدیث صرف اسی طریق پر مروی ہو اور قواعد معلومہ کے خلاف ہو۔''[2]

---

① نزهة النظر صفحه ۸۹.

② نزهة النظر ص ۸۵.

كذامن عرف بالكذب فى كلامه وان لم يظهرمنه وقوع ذلك فى الحديث النبوى.

''اس طرح اس شخص کی روایت بھی متروک ہوگی جو اپنے کلام میں کذب کے لیے معروف ہو لیکن حدیث نبوی میں اس کے جھوٹ کا واقع ہونا ظاہر نہ ہو۔''[1]

مقدمہ

"وأمّا جهالة الراوى، فإنَّه أيضا سبب للطعن فى الحديث، لانه لما لم يعرف اسمه وذاته لم يعرف حاله، وإنّه ثقة أوغير ثقة كما يقول، حدثنيى رجل واخبرنى شيخ، ويسمّى هذا مبهما، وحديث المبهم غير مقبول إلا أن يكون صحابيا الا انهم عدول وإن جاء المبهم بالفظ التعديل كما يقول: أخبرنى عدل اوحدثنى ثقة، ففيه اختلاف، والا صح أنه لا يقبل لا نه يجوزأن يكون عدلاً فى اعتقاده لا فى نفس الامر،وإن قال ذلك امام حاذق قبل"

''راوی کی جہالت بھی حدیث طعن کا سبب ہے اس لیے کہ جب راوی کا نام اور اس کی ذات معلوم نہ ہو تو اس کے حالات بھی معلوم نہ ہوں گے کہ وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ حدثنی رجل یا اخبرلی الشیخ تو اس کا نام مبہم ہے اور حدیث مبہم غیر مقبول ہے مگر اس صورت میں کہ راوی صحابی ہوں اس لیے کہ صحابی سب عدول ہیں اور اگر لفظ تعدیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو اس میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ مقبول نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ راوی کے خیال میں تو عادل ہو لیکن حقیقۃً عادل نہ ہو اور اگر کسی امام حاذق نے بیان کیا تو مقبول ہے۔

---

[1] نزهة النظر ص ٨٥.

جہالۃ بالراوی:

طعن راوی کا آٹھواں سبب یعنی راوی کی ذاتی یا صفاتی حالت کا غیر معلوم اور غیر معروف ہوتا ہے اسباب جہالت تین ہیں۔

❁ راوی کا قلیل الروایت ہونا۔

❁ عدم تسمیہ

❁ راوی کا غیر معروف صفت کے ساتھ ذکر کرنا

راوی کا قلیل الروایت ہونا:

راوی مجہول اس لیے ہوتا ہے کہ اس سے بہت کم روایات مروی ہوتی ہیں۔ایسے راوی کا نام لینے کے باوجود راوی میں جہل پایا جاتا ہے کیونکہ ایسے راوی سے استفادہ کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں اس لیے راوی کا حال معلوم کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔

(۲) عدم تسمیہ:

راوی کا کہنا ہے کہ مجھے فلاں نے خبر دی بھی جہالت کا سبب بنتا ہے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ یہ فلاں کون ہے مثلاً راوی کا یہ کہنا کہ "اخبرنی فلان" یا اخبرنی شیخ یا اخبرنی رجل،،

(۳) راوی کا غیر معروف صفت سے ذکر کرنا:

راوی کا غیر معروف نام یا اس کی غیر معروف کنیت یا غیر معروف لقب یا غیر معروف صفت یا غیر معروف پیشے، شے ذکر کرنے کی وجہ سے بھی راوی میں جہالت آ جاتی ہے مثلاً محمد بن سائب بن بشر الکلبی ان کو بعض نے دادا کی طرف نسبت دے کر یوں ذکر کر دیا محمد بن بشر بعض نے ان کی کنیت ذکر کی ابوالمنضر ہے۔

بعض نے کنیت ابوسعید بتائی اور بعض نے ابوھشام گمان یہ ہوتا ہے کہ یہ سب الگ الگ شخصیات کے نام ہیں لیکن دراصل یہ شخص واحد ہیں مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو عبدالرحمن کے نام سے ذکر کیا جائے تو کم لوگ پہچان سکتے ہیں۔

محدثین نے ایسے راویوں کی وضاحت کے لیے جو تصانیف تحریر فرمائیں ہیں انہیں "موضح،، کہا جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں میں مذکورہ وہموں کی وضاحت کی گئی ہے۔

مبہم راوی کی حدیث:

جس حدیث کے راوی کی صراحت نہ ہو اس کو بھی مجہول کی اقسام میں شمار کیا جاتا ہے یہ حدیث ضعیف کی قسم ہے اس کی مثال۔ مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ترمذی نے حضرت علی ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

قال خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا ايهاالناس قد فرض الله عليكم الحج محجول فقال رجل كل عام يارسول الله صلى الله عليه وسلم مسكت حتى قالهاثلاثا فقال رسول الله لوقلت نعم لوجبيته ولماء استطعتم .

"کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب کیا اور فرمایا "لوگو! اللہ عز و جل نے تم پر حج فرض کیا ہے لہذا حج کرو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہر سال کرنا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور اس نے تین مرتبہ دھرایا پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو یہ فرض ہو جاتا اور تم اس کی اسطاعت نہ رکھتے۔" [1]

اس حدیث میں رجل سے ابہام پیدا ہوا ہے جیسے دوسری حدیث مبارکہ جیسے عبداللہ بن عباس نے روایت کی اور ابوداؤد شریف میں نقل کی گئی ہے ہمیں معلوم ہوا کہ وہ شخص اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ تھے۔

مجہول راوی کی حدیث:

اسباب جہالت پیچھے بیان کیے جا چکے روایت کرنے کے اعتبار سے مجہول راوی کی دو قسمیں ہیں۔

⊙ مجہول العین ⊙ مجہول الحال

(ا) مجہول العین:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

---

[1] مسلم كتاب الحج.

"فان سمی وانفرد داو واحد بالروایة عنه فهو مجهول العین کا المبهم الا ان یوثقه غیر من ینفردبه عنه علی الاصح و کذا من ینفرد عنه اذا کان ستاهلالذلک."

''اگر مروی عنہ موسوم ہواور اس سے صرف ایک راوی روایت کرے تو وہ مروی عنہ مبہم کی طرف مجہول العین الا یہ کہ اس راوی کے علاوہ کوئی اس کی توثیق کرے صحیح قول پر اس طرح جو روایت کا اہل تصور کیا جاتا ہے۔''[1]

مجہول العین کی حدیث کا حکم:

راوی مجہول العین کی حدیث قابل قبول نہیں ہے لیکن۔ اگر آئمہ جرح وتعدیل میں سے کسی نے اس کی توثیق کی ہو تو پھر وہ قابل قبول ہوگی۔ یا اس کو روایت کرنے والا ثقہ ہو اور وہ ہمیشہ ثقہ ہی سے روایت کیا کرتا ہو تو وہ حدیث مقبول ہوگی۔ لیکن یہ قاعدہ صحابہ کے ماسوا میں ہے کیونکہ تمام صحابہ روایت کرنے میں عادل ہیں۔

مجہول الحال:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان راوی عنه اثنان فعاعدا ولم توثیق فهو مجهول الحال و فهو المستور.

''اگر اس سے دو یا دو سے زائد راوی (نام لے کر) روایت کریں لیکن اس کی توثیق نہ کریں تو وہ مجہول الحال ہوگا اور وہی مستور ہے۔''[2]

مجہول الحال کی حدیث کا حکم:

حافظ ابن حجر عسقلانی نزھۃ النظر میں لکھتے ہیں۔

وقد قبل روایته جماعة بغیر قید وردها الجمهور و التحقیق ان روایة المستور ونحوه ممافیه الاحتمال لایطلقالقول بردها ولا

---

① نزھۃ النظر صفحہ ۹۹. ② نزھۃ النظر صفحہ ۹۹.

بقبولهابل بهی موقوفه الی استبانه حاله کما جزم به امام الحرمین ونحوه قول ابن الصلاح فیمن جرح بجرح غیر مفسر
”اور کچھ لوگوں نے بغیر قید کے اس کی روایت کو قبول کیا ہے اور جمہور نے اسے رد کیا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ مستدرک روایت اور اس کی طرح احتمال والی روایت کے بارے میں مطلق قبول اور رد کی بات نہ کی جائے بلکہ کہا جائے کہ یہ اس کے حالات واضح ہونے پر موقوف ہے جیسا کہ امام الحرمین نے کہا اور انہی کی طرح ابن الصلاح کا قول جس پر غیر واضح جرح کی جائے۔“[1]

مقدمہ

”واما البدعة فالمرادبها اعتقاد اُمر محدث علی خلاف ما عرف فی الدین وماجاء من رسول اللهﷺ وأصحابه بنوع شهة وتأويل، لابطريق جحود وإنكار، فان ذلک كفر، وحديث المبتدع مردود عندالجمهور، وعند البعض إن كان متصفا بصدق اللهجة وصيانة اللسان قُبل وقال بعضهم إن كان منكر الامر متواتر فی الشرع، وقد علم بالضرورة كونه من الدين فهوم مردود،وإن لم يكن بهذه الصفة يقبل، وإن كفره المخالفون مع وجود ضبط وورع وتقویٰ و احتياط وصيانة والمختار انه ان داعياً إلى بدعته ومروجاله رُدّ،وإن لم يكن كذلک قبل الا ان يروى شيئا يقوى به به عته فهوم مردودقطعا وبالجملة الائمة مختلفون قی اخذ الحديث من أهل البدع: والاهواء بارباب المذاب الزائغة وقال صاحب جامع الاصول أخذجماعة من آئمة الحديث من فرقة الخوارج والمنتسبين إلى

[1] نزهة النظر ص ۱۰۰۔

القدر، والتشیع، والرفض وسائر أصحاب البدع والامراء، وقد اختاط جماعة آخرون، وتورعو امن أخذ حدیث من هذه الفرق، ولکل منهم نیات انتهی، ولاشک إن أخذ الحدیث من هذه الفرق یکون بعد الحتری والا استصواب، ومع ذلک الاحتیاط فی عدم الإخذلانه قدثبت أن هؤلاء الفرق کا نوایضعون الاحادیث الترویح مذاهبهم کانوا یقرون به بعد التوبة والرجوع ،والله أعلم"

"بدعت سے مراد یہ ہے کہ دین کی مشہور باتوں کے خلاف اوراس کے خلاف رسول اللہ ﷺ اوران کے اصحاب سے منقول ہیں کسی امر محدث کا اعتقاد شبہ اور تاویل کے ذریعے کرنا بطریق انکارنہیں اس لیے کہ یہ کفر ہے اور مبتدع کی حدیث جمہور کے نزدیک مردود ہے اور بعضوں کے نزدیک مقبول ہے بشرطیکہ صدق لہجہ اور زبان کی حفاظت کے ساتھ متصف ہو بعضوں نے کہا کہ اگر وہ کسی ایسے امر کا انکار کرتا ہے جو شریعت میں تواتر سے ثابت ہے اور بداھۃ یہ معلوم ہو کہ وہ امر دین میں سے ہے تو وہ مردود ہے اور اگر اس طرح پر نہ ہو تو مقبول ہے۔ مذہب مختار ہے کہ اگر وہ بدعت کی دعوت دیتا ہو اور اس کو رائج کرتا ہو تو مردود ہے ورنہ مقبول ہے بشرطیکہ وہ ایسی چیز روایت نہ کرتا ہو جوس کی بدعت کے لیے تقویت کا ذریعہ ہو کیونکہ یہ قطعاً مردود ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ائمہ حدیث کا بدعتیوں اور باطل مذاہب والوں سے حدیث اخذ کرنے میں اختلاف ہے صاحبِ جامع الاصول نے کہا کہ محدثین کی ایک جماعت نے خوارج قدریہ شعیہ اور تمام اصحاب بدعت سے حدیثیں اخذ کی ہیں اور ایک جماعت ان سے حدیثیں اخذ کرنے میں محتاط رہی ہے ان میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی نیت ہے اس میں شبہ نہیں کہ حدیثوں کا ان سے اخذ کرنا بہت زیادہ غور وفکر کے بعد ہوتا ہے لیکن بایں ہمہ احتیاط اسی میں ہے کہ ان سے حدیث اخذ نہ کی جائے اس

لیے کہ یہ ثابت ہوا ہے کہ یہ جماعتیں اپنے مذہب کی ترویج کے لیے حدیثیں وضع کرتی تھیں اور توبہ ورجوع کے بعد اس کا اقرار کر لیتی تھیں۔ واللہ اعلم۔"

بدعت

بدعت۔ بدع سے ہے۔جس کے معنی ایجاد کرنا ابتداء کرنا ہے چند احادیث مبارکہ پڑھئے جن میں یہ اصطلاح استعمال کی گئی۔

(۱) ان اصدق الحدیث کتاب اللہ واحسن الھدی ھدی محمد وشرالامور محدثا تھا وکل محدثه بدعة وکل یدعة ھلالة وکل ضلالة فی النار. (نسائی)

"بلاشبہ سب سے زیادہ سچی بات کلام اللہ عزوجل اور سب سے اچھی سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے اور سب سے بڑا امور دین میں نئے ایجاد کردہ امور ہیں۔ ہر ایجاد کردہ شئے بدعت ہے ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم کا ایندھن ہے۔"

(۲) فاحسن الکلام کلام اللہ واحسن الھدی ھدی محمدالادایا کم ومحدثات الامور فان شرالا امور محدثا تھا وکل محدثه بدعة وکل بدعة ضلالة.

"سب سے اچھی بات کلام اللہ عزوجل ہے اور سب سے اچھی سیرت محمد ﷺ سیرت ہے دین میں ایجاد کردہ کاموں سے بچو اور سب سے برے امور دین میں نئے ایجاد کردہ امور ہیں ہر ایجاد کردہ شئے بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"[1]

(۳) من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرھا واجرمن عمل بھامن بعدہ من غیرانه ینفص من اجورھم شئی ومن سن فی الاسلام سنة سیئة فله وزدھا ورزو من عمل بھامن غیر ان ینقص من اوزارھم شئی.

---

[1] ابن ماجه المقدمه باجه اجتناب البسوع والمهون ص٦.

''جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے گا اس کو اس کا ثواب ملے گا اور اس کا بھی جو اس پر عمل کرے اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا بھی گناہ ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔''

* مشکوۃ کتاب العلم الفصل الاول مسلم۔
* کتاب الزکوۃ باب الحث علی الصدقہ ص ۳۳)
* (النسائی کتاب الذکوۃ باب التحریض علی الصدقۃ ج ۲ ص ۲۷۳)
* (جامع الاصول ج ۶ ص ۴۵۷)
* حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

امّا بعد فان خیر الحدیث کتاب الله و خیر الهدیٰ هدی محمد وشر الامور محدثا تها و کل بدعه ضلالة.(مشکوة)

''سرکار صلی اللہ علیہ وسلم (غالباً ایک خطبہ میں) فرمایا بعد حمد الٰہی کے معلوم ہونا چاہیے کہ سب سے بہتر کلام کتاب اللہ ہے اور بہتر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا راستہ ہے اور شر ان چیزوں میں ہے جسے نیا نکالا گیا اور وہ گمراہی ہے۔''

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

بدانکه هر چه پیدا شده بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بدعت ست ازانچه موافق اصول وقواعد سنت اوست و قیاس کرده شده بر آن آن رابدعت حسنه گوینه و آنچه مخالف آں باشدبدعت ضلالت گویندو کلیت کن بدعة ضلالة محمول براین است وبعض بدعنها ست که واجب ست چنانچه تعلم و تعلیم صرف و نحو کو بداں معرفت آیات و احادیث حاصل گردو و حفظ غرائب کتاب و سنت و دیگر چیز بائیکه حفظِ دین و ملت برآں

موقوف."بود. وبعض مستحسن ومستحب مثل بنا هيے باطهار و مدرسها بعض مکروه مانند نقش و نگار کردن مساجد و مصاحف بقول بعض وبعض مباح مثل فراخی درطعامهائے لذیذه ولبا سهائے کو فاخرو بشرطیکه حلال باشند وباعث طغیان وتکبر و مفاخرت نه شوند ومباحات دیگر که درزمان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبود خد چنانکه بیری وغربال ومانند آں و بعض حرام چنانکه مذهب اهلِ بدع وا هوا برخلاف سنت وجماعت وآنچه خلفائے راشدین کردد باشند اگرچه بآں معنی که درزبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوده بدعت ست ولیکن قسم بدعت حسنه خراب بود بلکه درحقیقت سنت ست

"یعنی جاننا چاہیے کہ وہ چیز جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ کے بعد ہوئی بدعت ہے۔ لیکن ان میں سے جو کچھ حضور کی سنت کے اصول وقواعد کے مطابق ہے اور اسی پر قیاس کیا گیا ہے اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور ان میں جو چیز سنت کے مخالف ہو اسے بدعت ضلالت کہتے ہیں اور کل بدعة ضلالة (ہر بدعت گمراہی ہے) کی کلیت بدعت کی اسی قسم پر محمول ہے یعنی ہر بدعت سے مراد صرف وہی بدعت ہے جو سنت نبوی کی مخالف ہو۔ اور بعض بدعتیں واجب ہیں جیسے کہ علم صرف ونحو کا سیکھنا سکھانا کہ اس سے آیت واحادیث کریمہ کے مفاہم ومطالب کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور قرآن وحدیث کے غرائب کا محفوظ کرنا اور دوسری چیزیں کہ دین وملت کی حفاظت ان پر موقوف ہے اور بعض بدعتیں مستحسن ومستحب ہیں جیسے سرائے اور مدرسوں کی تعمیر اور بعض بدعتیں مکروہ ہیں جیسی کہ بعض کے قول پر قرآن مجید اور مسجدوں میں نقش ونگار کرنا اور بعض بدعتیں مباح ہیں جیسے کہ عمدہ کپڑوں اور اچھے کھانوں کی زیادتی بشرطیکہ حلال

ہوں اور غرور نخوت کا باعث نہ ہوں۔ اور دوسری مباح چیزیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ وسلم کے ظاہری زمانہ میں نہ تھیں جیسے بیری اور چھلنی وغیرہ اور بعض بدعتیں حرام میں جیسے کہ اہلِ سنت و جماعت کے خلاف نئے عقیدوں اور نفسانی خواہش والوں کے مذاہب اور جو بات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کی ہے اگرچہ اس معنی میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھی بدعت ہے لیکن بدعتِ حسنہ کے اقسام میں سے ہے۔ بلکہ حقیقت میں سنت ہے۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نزھۃ النظر میں بدعتِ سیہ کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں۔

⊙ بدعتِ مکفرہ ⊙ بدعت مفسقہ

(ا) بدعت مکفرہ:

اللہ عزوجل کو مجسم ماننا جیسا کہ ابن تیمیہ اور انکے متبعین وھابیہ کا مذہب ہے کذب باری تعالیٰ کا عقیدہ رکھنا جیسا کہ دیوبندیوں اور تبلیغیوں کا عقیدہ یا حضور اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کی توہین کرنا یا فرشتوں کو نیکی کی طاقت ماننا اور فرشتوں کے وجود کا انکار کرنا غرض یہ کہ ضروریات دین میں سے کسی بات کا انکار کر کے نیا عقیدہ گھڑ لینا کفر ہے اور ایسے کفر کو بدعت مکفرہ کہتے ہیں ایسی بدعتی کی حدیث مردود ہے اور ایسا بدعتی جہنمی ہے۔

(۲) بدعت مفسقہ:

وہ اعتقاد اور نظریات جو ضلالت اور گمراہی کا باعث ہوں یا ہر وہ کام جس کے ذریعے فرض واجب یا سنت موکدہ چھوڑ دی جائے بدعت مفسقہ ہے اس کے ارتکاب پر تکفیر نہیں کی جاتی ہیں ایسی حدیث کے قبول اور رد میں اختلاف ہے۔

بدعت سے مراد:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تراویح کی جماعت ادا کروا کر فرمایا۔

نعمة البدعته هذا

''کیا ہی اچھی بدعت ہے''

---

[1] اشعة اللمعات جلد اول ص ۱۲۵.

فتاویٰ شامی کے مقدمے میں فضائل امام اعظم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''علماء فرماتے ہیں یہ حدیثیں اسلام کے قوانین ہیں جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرے اسے اس کام کے سارے پیروی کرنے والوں کا گناہ ہے اور جو شخص اچھا طریقہ نکالے اسے قیامت تک کے سارے پیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔'' ①

اسی تمام بحث سے پتا چلا کہ محدثین جب بدعت کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد بدعت سیئہ ہوتی ہے یعنی مکفرہ و مفسقہ اور مکفرہ وہ جس میں ضروریات دین میں سے کسی کا انکار ہو اور مفسقہ جس سے سنت موکدہ ترک لازم آتا ہو۔

بدعتی راوی کا حکم:

حافظ ابن حجر عسقلانی اسباب طعن کا نواں سبب بیان کرتے ہوئے بدعتی راوی کا حکم بیان کرتے ہیں۔

''بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک۔ بدعت مکفرہ اور دوسری بدعت مفسقہ بدعت مکفرہ کے مرتکب کی حدیث جمہور محدثین قبول نہیں کرتے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی روایت مطلقاً مقبول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر وہ اپنے مذہب کی تائید کے لیے کذب کو جائز نہیں اعتقاد کرتا تو اس کی روایت مقبول ہے ورنہ نہیں اور تحقیق یہ ہے کہ ہر بدعت مکفرہ کے مرتکب کی حدیث مردود نہیں ہوتی کیونکہ ہر گروہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا مخالف بدعتی ہے اور کبھی مبالغہ کر کے اپنے مخالف کی تکفیر کرتا ہے اگر اس قول کا مطلقاً اعتبار کر لیا جائے تو تمام فرقوں کی تکفیر لازمی آئے گی۔ اس لیے معتمد بات یہ ہے کہ جو شخص کسی ایسے امر متواتر کا انکار کرے جس کا دین سے ہونا بداھۃ معلوم ہو۔ اس کی روایت مردود ہوگی۔ اسی طرح اس کی روایت مردود ہوگی جو کسی ایسے امر کا اعتقاد رکھے جس کے متعلق بداھۃ معلوم ہو کہ یہ دین کا مخالف ہے اور جو اسطرح کا نہ ہو اور اس کا

---

① مقدمہ الشامی مطلب بجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل ج ا ص ۱۴۰۔

حفظ اور ضبط تام ہو اور اس کے ساتھ وہ متقی اور پرہیز گار بھی ہو تو اس کی حدیث قبول کرنے کے لیے مانع نہیں ہے۔ ①

بدعت مفسقہ کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

''بدعت مفسقہ وہ ہے جس کے ارتکاب پر مطلقاً تکفیر نہیں کی جاتی اور اس کے رد اور قبول میں اختلاف ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی روایت مطلقاً مردود ہے اور یہ بہت بعید ہے اس پر دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اس کی روایت قبول کرنے سے اس کے طریقے کی ترویج ہوگی اور اسکی تعظیم ہوگی اس دلیل پر اعتراض یہ ہے کہ پھر بدعتی راوی کی اس روایت کو بھی قبول نہیں کرنا چاہیے جس کو روایت کرنے میں غیر بدعتی بھی شریک ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر کذب کے حلال ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا تو اس کی روایت مطلقاً قبول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اس کی روایت اس کی بدعت کی تائید نہیں کرتی تو اس کی روایت مقبول ہوگی کیونکہ اپنی بدعت کو مزین کرنے کے لیے ہوسکتا ہے وہ روایات میں تحریف کرے اور یہی زیادہ صحیح قول ہے اور اکثر آئمہ کا یہی قول ہے اور جو روایت اس کے مذہب کو تقویت پہنچاتی ہو اسی کو مذہب مختار پر مسترد کر دیا جائے گا۔ امام ابوداؤد اور امام نسائی کے شیخ حافظ ابواسحٰق ابراہیم بن یعقوب جوزجانی نے اپنی کتاب ''معرفۃ الرجال'' میں اس کی تصریح کی ہے اور راویوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ ان میں کچھ لوگ حق سے یعنی سنت سے منحرف ہیں لیکن صادق الکلام ہیں تو ان کی غیر منکر حدیث کو قبول کرنے میں کوئی عذر نہیں بشرطیکہ یہ حدیث ان کی بدعت کے لیے باعث تقویت نہ ہو۔ ②

---

① نزهة النظر صفحه ٧٤-٧٥.

② نزهة النظر صفحه ٧٤، ٧٢.

مقدمہ

وأمّا وجوه الطعن المتعلقة فهى أيضاً خمسة: ١.أحد ها فرط الغفلة.٢.وثانيها كثرة الغلط.٣.وثالثها مخالفة الثقات.٤.ورابعها الوهم.٥.وخامسهاسوء الحفظ ،أما فرط الغفلة وكثرة الغلط فمتقاربان، فالغفلة فى السماع وتحمُّل الحديث ، والغلط فى الاسماع والاداء ومخالفة الثقات فى الاسناد أو المتن ، يكون على أنحاء متعددة تكون موجبة للشذوذ، وجعله من وجوه الطعن المتعلقة بالضبط من جهة أنَّ الباعث على مخالفة الثقات انما هو عدم الضبط والحفظ وعدم الصيانة عن التغير والتبديل والطعن من جهة الوهم والنسيان الذين أخطأ هما. وروى على سبيل التوهم ، ان حصل الاطلاع على ذلک بقرائن دالّة على وجوه عليلٍ وأسباب قادحة كان الحديث معللاً. وهذا أغمض علوم الحديث وأدقها، ولا يقوم به إلا من رزق فهما وحفظا واسعا ومعرفةً تامّة بمراتب الرواة واحوال لا سانيد والمتون كالمتقدمين من ارباب هذا لفن أى أن انتهى الى الدار قطنى ويقال لم يات بعده مثله فى هذا الا مر والله اعلم

فصل:''وجوہ طعن جوضبط سے متعلق ہیں یہ بھی پانچ ہیں۔

(۱) فرطِ غفلت (۲) کثرت غفلت (۳) ثقات کی مخالفت۔(۴) وہم حافظہ کی خرابی۔ (۵) فرطِ غفلت اور کثرت غلط قریب المعنی ہین غفلت سماع اور اخذ حدیث سے اور غلط بیان کرنے اور پہچانے سے متعلق ہے اسناد یا متن میں ثقات کی مخالفت چند طریقوں پر ہوتی ہے جو شدوذ کا سبب ہوتی ہے۔ اوراسے ضبط سے متعلق وجوہ طعن اس لیے قرار دیا ہے کہ ثقات کی مخالفت کا سبب عدم ضبط وحفظ اور تغیر وتبدیل سے محفوظ ہونا ہے اور طعن وہم اور نسیان ہی کے

سبب ہوتا ہے کہ ان دونوں کے سب سے غلطی کی اور وہم کے طور پر روایت کر دیا اگر اس کی اِطلاع ایسے قرائن سے ہو جائے جو اِس کی غفلت و وقدح کے اسباب پر دال ہو تو یہ حدیث معلل ہے اور یہ علم حدیث میں سب سے زیادہ دقیق اور اہم مسئلہ ہے اس کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہیں اللہ نے فہم اور وسیع حافظہ عطا کیا ہو اور اسناد والوں احوال اور راویوں کے مراتب سے پوری طرح واقفیت رکھتے ہیں متقدمین میں تو ایسے بہت سے گزرے ہیں مگر متاخرین میں امام دارقطنی کے بعد اس طرح کا کوئی آدمی نہیں پیدا ہوا، واللہ اعلم۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ کسی حدیث کو رد کر دینے کا دوسرا سبب طعن راوی میں پانچ کا تعلق راوی کی عدالت سے ہے۔ اور پانچ کا اس کے ضبط سے ہے یہاں ضبط سے متعلق وارد ہونے والے طعن بیان کیے جاتے ہیں۔

(۱) فحش الغلط: غلطیاں کثرت سے کرنا۔ اور نہ ہونے والی غلطیاں کرنا ہے۔

(۲) سوءِ حفظ: اس کا حافظہ کمزور ہو یا وہ غلط ملط کرتا ہے۔

(۳) کثر غفلۃ: روایت کرنے میں غفلت سے کام لیتا ہے اہتمام نہ کرتا ہو۔

(۴) کثرۃ الاوھام: وہم بہت زیادہ کرنا ہے۔

(۵) مخالفۃ الثقات: ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہو۔

مقدمہ

"وأمّا سوء الحفظ فقالوا : إنَّ المراد به أن لا يكون إصابته أغلب على خطئه وحفظه واتقانه اكثر من سهوه ونسيانه، يعنى إن كان خطاه ونسيانه أغلب او مسويا لصوبه واتقان كان داخلا فى سوء الحفظ،فالمعتمدعليه. صوابه واتقانه وكثرتهما وسوء الحفظ إن كان لازم حاله فى جميع الاوقات ومدة عمره، لايعتبر بحديثه، وعد بعض المحدثين هذا أيضا داخل فى الشاذ.وإن طرأسوء الحفظ العارض مثل اختلال فى الحافظه، بسبب كبر سنه أوذهاب بصره، أوفوات كتبه فهذا يسمى

مختلطا، فماروی قبل الاختلاط والاختلال متمیزاعمار واہ بعد هذا الحال قُبل وان لم یتمیز توقف، وان اشتبه فکذلک :وإن وجد هذا القسم متابعات وشواهد ترقیٰ من مرتبه الردالیٰ القبول والرجحان وهذا حکم أحادیث والمستور والمدلس والمرسل"

''سوءحفظ سے محدثین کے نزیک مراد یہ ہے کہ اصابت خطاء پر غالب نہ ہواور حفظ واتقان سہوونسیان سے زیادہ نہ ہو یعنی اگر خطاونسیان صواب واتقان کے مساوی ہو یا غالب ہوتو یہ سوءحفظ میں داخل ہوگا اس لیے معتمد علیہ صواب واتقان اوران کی کثرت ہے سوءحفظ اگر ہر وقت اورعمر بھرراوی کی شامل حال رہی ہوتو اس کی حدیث معتبر نہ ہوگی اور بعض محدثین کے نزدیک یہ بھی شاذ میں داخل ہے۔اگر حافظہ کی خرابی کسی عارض کے سبب طاری ہوجائے مثلاً کبرسن بینائی کے جاتے رہنے یا کتابوں کے ضائع ہوجانے کے سبب سے حافظہ میں خلل پیدا ہوجائے تو اس کا نام مختلط ہے پس اختلاط اور اختلال سے پہلے جو حدیث روایت کی ہو وہ حدیث مقبول ہوگی بشرطیکہ اس حالت کے ظاہری ہونے کے بعد کی روایتوں سے ممتاز ہواگر ممتاز نہ ہوتو وقف کیا جائے گا اور اگر مشتبہ ہوتو اس کا حکم بھی یہی ہے او، اگراس کے لیے متابعات اور شواہد ہوں تو پھر مردود ہونے کے بجائے قبولیت اور رجحان کا درجہ پائے گی۔مستور مدلس اورمرسل حدیثوں کا بھی یہی حکم ہے۔''

اسباب طعن کاایک سبب سوءحفظ بھی ہے جس کاتعلق ضبط سے ہےاس کی دوقسمیں ہیں۔

⊙سوءحفظ لازم ⊙سوءحفظ طاری (غیرلازم)

(ا)سوءحفظ لازم:

وہ جوراوی میں ہمیشہ سے ہواور ہر حال میں رہتا ہوایسی کی حدیث کوبعض محدثین کی

اصطلاح میں شاذ کہتے ہیں انہوں نے گویا شاذ سے انفرادی صفت کا حامل لیا ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک شاذ اسے کہتے ہیں جس کا ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرے ایسی روایت کو رد کر دیا جاتا ہے۔

سوء حفظ طاری:

اگر سوء حفظ بڑھاپے کی وجہ سے ہو جیسے جوانی میں اس کی یادداشت صحیح ہو اور بڑھاپے میں یادداشت میں خرابی آ جائی یا بڑھاپے کے علاوہ کسی اور وجہ سے یادداشت خراب ہو جائے مثلاً کتابوں سے روایت کرتا تھا کتابیں گم ہو گئیں۔ یا تلف ہو گئیں یا راوی نابینا ہو گیا یا قدرتی عوام کی وجہ سے یادداشت میں کمی آ گئی ایسے راوی کی حدیث کو مختلط کہتے ہیں جب اس بات کا پتہ چل جائے کہ راوی نے یہ حدیث اختلاط سے پہلے بیان کی تھی تو راوی کے ثقہ ہونے کی صورت میں ایسی حدیث مقبول ہے اور اگر اختلاط کے بعد کی روایت ہے تو مردود ہے اور اگر اس کا فیصلہ نہ ہو جائے کہ اختلاط سے پہلے کی روایت ہے یا بعد کی تو اس پر توقف کیا جائے گا یہاں تک کہ پتہ چل جائے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ''نزھۃ النظر'' میں لکھتے ہیں۔

والحکم فیه اِن ماحدث به قبل الاختلاط اذا تمیز قبل واذالم یتمیز توقف فیه کذا من اشتبه الامرفیه وانما یعرف ذلک باعتبار الاخذین عنه.

''اس بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ اگر یہ پتہ چل جائے کہ یہ اختلاط سے پہلے کی ہے وہ قبول کی جائے گی اور اگر یہ تمیز نہ ہو سکے تو توقف کیا جائے گا یہی حیثیت اس حدیث کی ہے جس کا معاملہ مشتبہ ہو اس کا دارومدار تو اخذ کرنے والوں کی حیثیت پر ہوگا۔''[1]

مقدمہ

"فصل :الحدیث الصحیح کان روایه واحدایسمی غریبا"

---

[1] نزھة النظر ص ۱۰۲.

''فصل: صحیح حدیث جس کا راوی ایک ہوتو وہ حدیث غریب ہے۔''

غریب صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔

لغوی تعریف:

غریب کے معنی منفرد اور گھر اور اقارب سے دور ہونے کے ہیں۔

اصطلاحاً غریب وہ ہے جس روایت میں کسی مقام پر راوی منفرد رہ جائے حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں۔

قلت الحدیث الذی یتفرد یه بعض الرواۃ یوصف الفریب

''میں کہتا ہوں وہ حدیث جس میں بعض راوی اکیلے رہ جاتے ہیں غریب ہونے سے موسوم کی جاتی ہے۔''[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی نزھۃ المنظر میں لکھتے ہیں:

الغریب ھو مایتفرد بروایته شخص واحد فی موصع وضع التفرد یه من السند.

''غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں کسی جگہ بھی راوی منفرد ہو۔''[2]

مقدمہ

"وان کان اثنین یسمی عزیزا"

''اور اگر دو راوی ہوں تو وہ حدیث عزیز ہے۔''

خبر عزیز

لغوی تعریف:

یہ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور یہ عَزَّ یعزہ سے مشتق ہے قلیل اور نادر کے معنی میں۔ آتا ہے یا یہ عَزَّ یعز یعنی مضارع مفتوح العین ہے جس کے معنی قوی ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے حدیث عزیز کی یہ تعریف کی ہے۔

---

① نزھة النظر ص ٤٧. ② نزھة النظر ص ١٦.

العزیز وھو ان لایرویه اقل من اثنین عن اثنین.

''خبر عزیز وہ ہے جسے کم از کم دو راوی دو راویوں سے روایت کریں۔''[1]

حافظ ابن الصلاح نے لکھا۔

فازاروی عنھم رجلان و ثلاثة و اشترکو افی حدیث یسمٰی عزیز.

''جب ان سے دو اور تین افراد روایت کریں اور ایک حدیث میں اشتراک کریں تو اسے عزیز کہتے ہیں۔''[2]

اس تعریف سے پتہ چلا کہ اگر سند کے بعض طبقوں میں تین یا زیادہ راوی ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اعتبار ہمیشہ سند کے طبقوں میں کم راویوں کا ہوتا ہے۔

مقدمہ

"وان کانوا اکثر یسمی مشھور اومستفیضا"

''اور دو سے زیادہ ہوں تو حدیث مشہور یا مستفیض ہے۔''

خبر مشہود

لغوی تعریف:

یہ اِسم مفعول کا صیغہ ہے شہرت الاسر سے مشق ہے جس کے معنی ہیں میں نے اس کا اعلان کیا۔ حدیث کی اس قسم کو مشہور اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عام اور ظاہر ہوتی ہے۔

اصطلاحی تعریف:

علامہ ابن حجر عسقلانی نزھۃ النظر میں اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

ماروا ه فی کل طقه ثلاثه او اکثر ولم یبلغ حد التواتر

''جس کو ہر طبقہ تین یا تین سے زیادہ روایت کریں مگر تواتر کی حد کو نہ پہنچے۔''

---

① نزهة النظر ص ٤٠٤ ② مقدمه ابن الصلاح ص ٢٧٠

مستفیض

لغوی تعریف:

استفاض سے اسم فاعل ہے۔ خاض الماء کے معنی میں پانی بہنا لہذا جو کثرت سے بیان کی جائے وہ مستفیض کہلاتی ہے۔

اصطلاحی تعریف:

اس کی تعریف میں تین اقوال پر اختلاف ہے جو یہ ہیں۔

* مشہور اور مستفیض ایک ہی قسم کا نام ہے۔
* مستفیض وہ ہے جس میں رواہ کا سلسلہ ابتداء سے انتہا تک یکساں ہو بخلاف مشہور کے اس میں ایسا نہیں۔
* مشہور وہ ہے جس کی سند کے دونوں اطراف برابر ہوں یعنی دوسرے قول کے برعکس حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

المشهور هوا المستفيض على رازى و منهم من غاير بين المستفيض والمشهور بان المستفيض يكون فى ابتدائه وانتهائه سواء والمشهور اعمر عن ذلك.

''حدیث مشہور ایک رائے کے مطابق حدیث مستفیض ہے اور بعض آئمہ نے فرق کیا ہے کہ مستفیض وہ حدیث ہے جس کی ابتداء اور انتہا میں کثرت طرق برابر ہوں اور حدیث مشہور اسی سے عام ہے۔''[1]

مقدمہ

''وإن بلغت رواته فى الكثرة إلى أن يستحيل العادة تواطئهم على الكذب يسمى متواترا''

---

[1] نزهة النظر ص ١٣.

''اگر کسی حدیث کے راویوں کی کثرت اس حد کو پہنچ جائے کہ ان کا کذب پر متفق ہونا محال ہو تو اس کو حدیث متواتر کہتے ہیں۔''

خبر تواتر

لغوی تعریف:

یہ تواتر سے مشتق ہے اور اسم فاعل کا صیغہ ہے عرب کہتے ہیں تواتر المطر (بارش متواتر ہوئی) یعنی بارش کا نزول لگاتار اور مسلسل ہوا۔

اصطلاحی تعریف:

جیسے ایک بڑی جماعت روایت کرے کہ عادۃً اس کثرت تعداد کا جھوٹ پر متفق و جمع ہونا محال ہو۔

خبر متواتر کی شرائط:

حافظ ابن حجر ''نزھۃ النظر'' خبر متواتر کی شرائط یوں بیان کرتے ہیں۔

- اس کی اسناد کثیر ہوں۔
- راویوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ عادۃً ان کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔
- یہ کثرت سند کے تمام طبقوں میں موجود ہو
- خبر کا تعلق حِس سے ہو عقل سے نہ ہو۔
- مفید علمِ یقینی ہو۔

کثرت رواۃ:

خبر کو کثیر تعداد روایت کرے کم از کم کتنے افراد ہوں۔ یہ کہ کثرت کہا جائے اس میں کئی اقوال ہیں مثلاً بعض علماء نے آیت قرآنی۔

"لو لا جاء ا علیه بار بعة شهداء. [1]

---

[1] سورہ النور ۱۳.

سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ کم از کم چار راویوں کی روایت کو متواتر کہتے ہیں۔

❁ بعض علماء نے شہادت لعان پر قیاس کرتے ہوئے پانچ کی تعداد بیان کی۔

❁ بعض نے کہا کم از کم دس ہوں کہ کثرت کا اطلاق دس پر ہوتا ہے۔

❁ بعض نے **ویعثنا منهم اثنی عشر نقیبا.** [1]

سے استدلال کرتے ہوئے بارہ کی تعداد مقرر کی۔

❁ بعض نے کہا کم از کم بیس ہوں۔

ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین. [2]

اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہا کہ مسلمانوں کے غلبے کی تعداد بیس ۲۰ بیان کی گئی ہے۔

❁ کم از کم چالیس ہوں قرآن کی مندرجہ ذیل آیت سے استنباط کرتے ہوئے کہ آیت میں جن مومنین کا حوالہ دیا گیا ہے ان کی تعداد چالیس (۴۰) تھی۔

یا ایها النبی حسبک الله ومن اتبعک من المؤمنین. [3]

❁ بعض نے کہا کہ راویوں کی تعداد ۷۰ ہونی چاہیے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے ستر (۷۰) آدمیوں کا انتخاب کیا تھا۔

واختار موسیٰ قومه سبعین رجلا لمیقاتنا. [4]

❁ بعض لوگوں نے اہل بدر کی تعداد پر قیاس کرتے ہوئے ۳۱۳ تین سو تیرہ کا عدد تجویز کیا ہے۔

مذکورہ دلائل اگرچہ قرآن سے ماخوذ و متسنبط ہیں پھر بھی خبرہ متواتر کے لیے انکا دلیل بنانا صحیح نہیں کیونکہ ہر قرآنی آیت کسی خاص واقع سے متعلق ہے اور اس کو خبر متواتر کی دلیل صحیح نہیں بلکہ تعداد بھی مفید علم یقینی ہو وہ کافی ہے۔

حافظ ابن حجر ''نزهة النظر'' میں فرماتے ہیں۔

''لامعنی لتعین العدد علی اصلحیح''

---

① پارہ ٦ سورہ المائدہ آیت ۱۲.　② پارہ ۱۰ سورۃ الانفال آیت ٦۰.

③ پارہ ۱۰ سورہ ۱۱ انفال آیت ٦٤.　④ پارہ ۹ سورۃ الاعراف آیت ۱۵۵.

''درست رائے کے مطابق تعداد کا تعین بے معنی ہے۔''[1]

کثرت ہر طبقہ میں:

خبر متواتر کے لیے ضروری ہے کہ اس کو کثیر تعداد روایت کرے اور یہ کثرت ہر طبقے میں ہو یعنی ہر طبقے میں راویوں کی اتنی تعداد ہو کہ جس کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔

خبر کا تعلق امر محسوس سے ہو:

راوی جس خبر کو بیان کر رہا ہو وہ حواس ظاہرہ کا معاملا ہو مثلاً یہ کہ راوی کہے میں نے دیکھا میں نے سنا جیسے راوی کہے۔

"رأیت رسول الله فعل کذا او سمعت رسول الله ﷺ قال کذا"

وہ خبر جس کا تعلق عقل سے ہو متواتر نہیں بن سکتی کیونکہ جس خبر کا تعلق عقل ہو اور اس کے بارے میں سمجھنے کی ضرورت ہو تو ہم یہ بات جانتے ہیں کہ مختلف لوگوں میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں جب کہ دیکھنے سننے میں ایسا کم ہوتا ہے۔

متواتر کا حکم:

خبر متواتر علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے علم یقینی۔ وہ علم ہوتا ہے کہ جس کی پختہ و جازم تصدیق کرنے پر انسان مجبور اور لاچار ہوتا ہے جیسے وہ خود معاملے کو مشاہدہ کر دیا ہو۔

خبر متواتر کی قسمیں:

⊙ متواتر لفظی ⊙ متواتر معنوی

(۱) متواتر لفظی:

متواتر لفظی وہ خبر ہے جسے رواۃ کی پوری جماعت یکساں الفاظ میں پیش کرے۔

"ومن کذب علی مستعمد افلیتوا مقعد ہ من النار"

''جس نے عمداً مجھ سے جھوٹ منسوب کیا۔ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔''

(۲) متواتر معنوی:

متواتر معنوی وہ ہے جس کے معنی تواتر سے ثابت ہوں مگر لفظی مطابقت نہ پائی جاتی ہو

---

[1] نزھة النظر صفحہ ۳۸.

مثال جیسے دعا میں ہاتھ اٹھانے کی احادیث وغیرہ۔

مقدمہ

"ویسمی الغریب فردا أیضا. والمراد بکون راویه واحداکونه کذلک، ولو فی موضع واحد من الاسناد لکنّه یسمی فرداً نسبیا ،وإن کان فی کل موضع منه مطلقاً، والمراد بکونهما اثنین إن یکونا فی کل موضع کذلک، فان کان فی موضع واحد مثلاً لم یکن الحدیث عزیز ابل غریبا وعلی هذا القیاس معنی اعتبار الکثرة فی المشهور أن یکون فی کل موضع أکثر من اثنین وهذا معنی قولهم إن الاقل حاکم علی الاکثر فی هذا الفن فافهم ،وعلم مما ذکر أن الغرابة الاتنافی الصحة"

''اورغریب کا نام فرد بھی ہے اور مراد اس سے راوی کا کسی جگہ ایک ہونا اگر اسناد میں کسی ایک جگہ میں ہوتو فرد نسبی کہتے ہیں اور اگر ہر جگہ میں ہوتو فرد مطلق ہے اور دو ہونے سے مراد یہ ہے کہ ہر جگہ ایسا ہی ہولیکن اگر صرف ایک جگہ میں ہے تو وہ عزیز نہیں بلکہ غریب ہے اور اسی طرح پر حدیث مشہور میں کثرت کے معنی یہ ہیں کہ ہر جگہ میں دو سے زیادہ راوی ہوں۔ اقل اکثر پر حاکم ہے محدثین کے اس قول کے یہی معنی ہیں اور اس سے معلوم ہوا کہ غرابت صحت کے منافی نہیں ہے۔''

غریب کی اقسام:

غرابت کی جگہ کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں بہت سے علماء نے غریب پر ایک اور نام ''فرد'' کا بھی اطلاق کیا ہے مگر محدثین عام طور پر فرد کا لفظ ''فرد مطلق'' استعمال کرتے ہیں اور ''فرد نسبی'' کے لیے غریب کا لفظ استعمال کرتے ہیں مگر کبھی اس کے خلاف بھی کرتے ہیں۔

- غریب مطلق یا فرد مطلق۔
- غرب نسبی یا فرد نسبی۔

غریب مطلق:

اگر تفرد اصل سند میں ہو یعنی صحابی سے روایت کرنے والا ایک تابعی ہو تو اسے فرد مطلق کہتے ہیں یعنی طبقہ تابعین میں غرابت ہو اور صرف ایک تابعی اس حدیث کو روایت کرتے ہوں جیسے حدیث شریف

"الولاء لحمة كلحة النسب لايباع ولا يوهب ولا يورث"

ولاء ایک قرابت ہے نسبی قرابت کی طرح نہ بیچی جا سکتی ہے نہ تحفہ دی جا سکتی ہے نہ ہی میراث میں دی جا سکتی ہے۔

اس حدیث کو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صرف عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہ مشہور تابعی روایت کرتے ہیں پس یہ حدیث فرد مطلق ہے۔

غریب نسبی:

اگر تفرد سند کے درمیان ہو یعنی وہ حدیث جس کی سند کے شروع میں تو غرابت نہ ہو البتہ وسط سند یا آخر سند میں غرابت ہو تو سے فرد نسبی کہتے ہیں۔

مقدمہ

"ويجوزأن يكون الحديث صحيحاً غريباً بأن يكون كل واحد من رجاله ثقة، والغريب قد يقع بمعنى الشاذ أى شذوذاً هو من أقسام الطعن فى الحديث، و هذا هوا لمرادُمن قول صاحب المصابيح من قوله هذا حديث غريب لما قال بطريق، و بعض الناس يفسرون الشاذ بمفرد الراوى من غير اعتبار مخالفة للثقات كما سبق، ويقولون :صحيح شاذ و صحيح غير شاذ فالشذ وذبهذا المعنى ايضا لاينافى الصحته كا لغرابة، والذى يذكر فى مقام الطعن هو مخالف للثقات"

"اور جائز ہے کہ حدیث صحیح غریب بھی ہو اس طور پر کہ رجال حدیث میں ہر

ایک ثقہ ہوں اور غریب کبھی شاذ کی معنی میں مستعمل ہوتا ہے یعنی وہ شذوذ جو حدیث میں طعن کے اقسام میں ہے صاحب المصابیح کے قول ھذا حدیث غریب کا جب وہ بطریق طعن بیان کریں تو یہی مطلب ہے اور بعضوں نے ثقات کی مخالفت کا لحاظ کیے بغیر جیسا کہ اوپر گزرا شافہ کی تفسیر مفرد راوی کے ساتھ کی ہے اور کہتے ہیں کہ صحیح شاذ ہے اور صحیح غیر شاز ہے تو شدواز اس معنی کے لحاظ سے بھی غرابت کی طرح صحت کے منافی نہیں ہے اور جب مقام طعن میں کیا جاتا ہے تو وہاں ثقات کی مخالفت معتبر ہے س لیے وہ صحت کے منافی ہے۔

کیا صحت حدیث کے لیے عزیز ہونا شرط ہے یا غریب بھی صحیح ہوسکتی ہے۔

درست بات یہ ہے کہ کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اس کا عزیز ہونا شرط نہیں یعنی دو سندیں ہونا ضروری ہیں کیونکہ صحیحین میں بہت سی احادیث صحیحہ موجود ہیں حالانکہ وہ غریب ہیں لیکن بعض علماء نے اس کا دعویٰ کیا ہے۔ (یعنی صحت کے لیے عزیز ہونا شرط ہے) جیسے ابو علی الجبائی اور امام حاکم میں لیکن انکا یہ قول اجماع امت کے خلاف ہے۔

صحیح شاذ اور غیر صحیح شاذ:

بعض محدثین نے شاذ کی تفسیر مفرد راوی کے ساتھ کی ہے یعنی وہ حدیث جس کی کم از کم ایک سند ہو چاہے اس کا راوی ثقہ ہو یا غیر ثقہ پس متفرد ہونے پر حکم شاذ لگایا جائے گا۔ جیسا کہ حافظ ابویلعی الخیلیی نے امام شافعی اور حجاز علماء کی ایک جماعت نے اس قول کو نقل کیا ہے۔

الذی علیه حفاظ الحدیث ان الشاذ مالیس له الاسناد واحد یشذ ذلک شیخ ثقه کان اوغیر ثقه فما کان عن غیر ثقه فمتر وک لا یقبل وماکان عن ثقه یتوقف فیه ولا یحتج به.

''حفاظ حدیث کا مسلک یہ ہے کہ شاذ وہ ہے جس کی صرف ایک سند ہے اور شیخ اس کے سبب منفرد ہو وہ ثقہ ہو یا غیر ثقہ جو روایت غیر ثقہ سے ہوگی وہ متروک ہوگی اور اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور ثقہ سے ہوگی وہ متوقف فیہ ہوگی اور قابل حجت نہ ہوگی۔''[1]

اس لحاظ سے شاذ اور غریب میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

امام حاکم'' شاذ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان الشاذ هو الحديث الذى يتفرد به ثقه من الثقات وليس له اصل بمتابع لذلك الثقه"

''شاذ وہ حدیث ہے جس میں ایک ثقہ راوی دو ثقہ داویوں سے متفرد ہوتا ہے اور اس کے لیے اس حدیث کا کوئی متابع نہیں۔''[2]

یعنی مقام طعن میں جب ذکر کیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ثقہ اپنے سے زیادہ ثقہ راویوں کے مقابلے میں متفرد ہے اس لیے اس کی حدیث ''صحیح'' نہیں۔

مقدمہ

"فصل :الحديث الضعيف، هو الذى فقد فيه الشرائط المعتبرة فى الصحة والحسن كلاً أو بعضاً ويذم راويه بشذوذ أو نكارة أوعلة، وبهذا الاعتبار أقسام الضعيف، ويكثر إفرادا أو تركيبا ومراتب الصحيح والحسن لذ اتهما والغير هما ايضا بتفاوت المراتب والدرجات فى كمال الصفات المعتبره الما خوذة فى مفهوم ميهما مع وجود الاشتراك فى اصل الصحة والحسن، والقوم ضبطو امراتب الصحة، وعينوها، وذكروا أمثلتها من الاسانيد، وقالوا:اسم العدالة والضبط يشمل رجالها كلها، ولكن بعضها فوق بعض، وأما اطلاق اصح الاسانيد على سند

---

[1] مقدمه ابن صلاح ح ٧٦. [2] معرفه علوم الحديث ص ١١٩.

مخصوص على الاطلاق ففيه اختلاف، فقال بعضهم أصح الاسانيد زين العابدين عن أبيه عن جده وقيل: مالک عن نافع عن ابن عمر وقيل الزهرى عن ابن عمر، والحق أن الحكم على إسناد مخصوص بالاصحية على الاطلاق غير جائز إلا أن فى الصحة مراتب عليا وعدة من الاسانيد يد خل فيها، ولو قيد بقيد بأن يقال: اصح أسانيد البله الفلانى ، أو فى الباب الفلا نى اوفى أو فى المسئالة الفلانية، يصح، والله اعلم.''

فصل:

''حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں وہ شرائط کل کے کل یا بعض مفقود ہوں جن کا اعتبار صحیح اور حسن حدیثوں میں کیا گیا ہے اور اس کا راوی شذوذ و نکارت یا کسی علت کے ساتھ مہتم ہو اس اعتبار سے ضعیف کے متعدد اقسام ہو جائیں گے اور صحیح لذاہتہ وصحیح لیغرہ وحسن الذاہتہ وحسن لیغر کے بھی مختلف مراتب ہوں گے اور باوجد اصل صحت اور حسن کے اشتراک کے ان صفات کمال کیے درجات میں جن کا ان دونوں کے مفہوم میں اعتبار کیا گیا ہے فرق ہوگا قوم نے مراتب صحت کو منضبط کیا ہے اور اس کی تعیین کی ہے اور اسناد میں اس کی مثالیں دی ہیں اور کہا ہے کہ عدالت اور ضبط رجال حدیث کو شامل ہے لیکن ان میں بعض بعض پر فوقیت رکھتے ہیں مطلقاً کسی خاص سند کو اصح الاسانید کہنے میں اختلاف ہے بعضوں نے کہا ''عن زین العابدین عن ابیہ عن جدہ ''اصح الاسانید ہے بعضوں نے کہا: ''عن مالک سنن نافع عن ابن عمر'' ہے بعضوں کے نزدیک ''عن زھری عن سالم عن ابن عمر'' اصح الاسانید ہے لیکن حق یہ ہے کہ کسی مخصوص سند پر اصح ہونے کا مطلقاً حکم لگا دینا درست نہیں اس لیے کہ صحت میں بہت سے درجات ہیں اور بہت سے اسناد اس میں داخل ہوتے ہیں اور اگر اس کو اس طرح مقید کر دیا جائے اور کہا جائے کہ یہ فلاں شہر میں اصح

الاسانید ہے یا فلاں باب یا فلاں مسئلہ میں اصح الاسانید ہے تو صحیح ہوگا۔ اور اللہ عزوجل ہی زیادہ جاننے والا ہے۔"

حدیث ضعیف

لغوی تعریف:

لغت کے اعتبار سے ضعیف قوی کی ضد ہے ضعف حسی بھی ہوتا ہے معنوی بھی یہاں صعف سے مراد معنوی صعف مراد ہے'

اصطلاحی تعریف:

حافظ ابن الصلاح نے ضعیف کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے۔

كل حديث لم تجتمع فيه صفات الحديث الصحيح ولا صفات الحديث الحسن المذكورات فيما تقدم فهو حديث ضعف.

"ہر وہ حدیث جس میں صحیح اور حدیث حسن کی مذکورہ صفات جمع نہ ہو تو وہ حدیث ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے اِن مختصر الفاظ میں حدیث ضعیف کی تعریف کی ہے۔"[1]

كل حديث لم تجتمع فيه صفات القبول.

"ہر وہ حدیث جس میں صفات مقبول جمع نہ ہوں (وہ حدیث ضعیف ہے)۔"[2]

حدیث ضعیف کے درجات:

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

وتفاوت درجاته فى الضعيف بحسب بعضه من شروط الصحيح كما اختلف درجات الصحيح.

---

[1] مقدمه ابن الصلاح. [2] النكت ٤٩١/١.

"صحیح کی شرائط میں دوری کی بنا پر ضعف کے درجات مختلف ہوں گے جیسے صحیح کے مختلف درجات ہیں۔"[1]

ضعیف کی اقسام:

حافظ ابن الصلاح ضعیف کی بعض اقسام ذکر کرتے ہیں

والذی. له لقب خاص معروف من اقسام ذلک . الموضوع . والمقلوب والثانی والمرسل والمنقطع والمعصل.

"اس کی اقسام میں سے کچھ وہ ہیں جن کے خاص لقب ہیں جیسے موضوع مقلوب شاذ مرسل منقطع اور معفل۔"[2]

اصح الاسانید

صحیح لذاتہ میں تفاوت اوصاف کے لحاظ سے رتبے ہیں۔ وہ روایت جو عدالت ضبط اور دیگر صفات راجحہ کے اعتبار سے اعلیٰ ہوگی وہ اصح شمار ہوگی۔ بہ نسبت اس حدیث کے جو ان اوصاف کے لحاظ سے کم رتبہ ہے حافظ ابن حجم رحمۃ اللہ نے "نزھۃ النظر" میں اصح الاسانید میں سے تین کا ذکر کیا ہے۔

(ا) الزهری عن سالم بن عبدالله بن عمر عن ابیه

(۲) محمد بن سیرین عن عبیده بن عمرو عن علی

(۳) ابراهیم النخعی عن علقمه عن ابن مسعود"

اس سے کم رتبے کی اسناد میں ابن حجر مندرجہ ذیل سندوں کو پیش کرتے ہیں۔

"(ا) بزیه بن عبدالله ابن ابی برده عن جده عن ابیه ابی موسیٰ

(۲) حماد بن سلمه عن ثابت عن انس "

مزید اس سے بھی کم درجہ کی اسناد یہ ہیں۔

(ا) سهیل بن ابی صالح عن ابیه عن ابی هریرة

---

[1] الارشاد ۷۳. [2] مقدمه ابن الصلاح صفحه ٤٢.

(۲) علاء بن عبدالرحمن عن ابیه عن ابی هریرة"

حافظ ابن الصلاح نے بھی کچھ اسانید کو اصح الاسانید قرار دیا جن کا ذکر مقدمہ ابن الصلاح اور تدریب میں موجود ہے۔

(ا) الزهری عن زین العابدین عن ابیه الحسینی عن ابیه علی ابن ابی طالب.

(۲) مالک عن نافع عن ابن عمر "

مختار قول کے مطابق کسی سند کے متعلق یقینی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ مطلق صحیح ترین سند ہے کیونکہ صحت حدیث کے مراتب کے اختلاف وتفاوت مدار سند میں موجود شروط صحت کی موجودگی اور امکان وجود پر ہے اور صحت کی تام شرطوں میں بلند درجات کا اثبات وتحقیق بہت قلیل اور نادرر ہے اور اس لیے اولیٰ اور سناب یہی ہے کہ مطلقاً کسی سند کو صحیح ترین سند کہنے سے توقف کیا جائے۔

ضعیف ترین سندیں:

صحیح میں اصح الاسانید کی بحث گزری ہے اس طرح ضعیف کی بحث میں ان اسانید کا ذکر بھی آتا ہے جو اوھی الاسانیند ہیں یہاں ہم ان کو بھی ذکر کردیتے ہیں امام حاکم کے حوالے سے اوھی الاسانید یوں بیان کی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ضعیف ترین سند یہ ہے۔

(ا) صدقه بن موسیٰ الدقیقی عن فرقه الستبحی عن سره اطیب عن ابی بکر الصدیق "

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نسبت سے ضعیف ترین سند یہ ہے۔

(۲) عمرو بن ثمر عن جابر الجعفی عن الحادث الاعور عن علی."

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ضعیف ترین سند'

(۳) السری بن اسماعیل عن داودبن یزید لاودی عن ابی هریرة"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی نسبت سے ضعیف ترین سند۔

(۴) "الحادث بن شبل عن ام النعمان عن عائشه رضی ا لله تعالیٰ عنها"

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی نسبت کی نسبت سے ضعیف ترین سند۔

(۵) "شریک عن ابی فزاده عن ابی زید عن ابن مسعود رضی الله عنه"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ضعیف ترین سند'

(٦) داؤد بن المجر بن فخذم عن ابیه عن ابان عن انس

مقدمہ

"فصل من عادة الترمذی أن یقول فی جامعه: حدیث حسن صیح حدیث غریب حسن، حدیث حسن غریب صحیح ولا شبهة فی جواز الجتماع الحسن والصحة بان یکون حسناً لذته وصحیحا لغیره وکذ لک فی اجتماع الغرابة والصحة کما أسلفنا، واما اجتماع الغرابة والحسن، فیستشکلونه بأن الترمذی اعتبر فی الحسن تعدد الطرق، فکیف یکون، غریباً ویجیبون بأن اعتبار تعدد الطرق فی الحسن لیس علی الاطلاق بل فی قسم منه، وحیث حکم باجتماع الحسن والغرابة، المراد قسم آخر، وقال بعضهم أنه اشاربذلک إلی اختلاف الطرق بأن جاء فی بعض الطرق غریبا وفی بعضها حسنا وقیل: لو اوبمعنی أوبانه یشک ویتردوفی أنه غریب، او حسن لعدم معرفته جزما وقیل المراد بالحسن هھنا لیس معناه الا صطلاحی بل اللغوی بمعی مایمیل إلیه الطبع ،وهذا القول بعید حداً"

"فصل: امام ترمذی کی عادت ہے کہ وہ جامع ترمذی میں کہتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے حدیث غریب حسن ہے حدیث حسن غریب صحیح ہے حسن اور صحیح کے اجتماع کے جواز میں بایں طور کہ حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہو شبہ نہیں اور اسی طرح غرابت اور صحتہ کے اجتماع میں بھی شبہ نہیں لیکن غرابت اور حسن کے اجتماع میں اشکال پیدا ہوتا ہے اس لیے کہ ترمذی نے حسن میں تعدد طرق کا اعتبار کیا ہے تو غریب کیونکر ہوسکتا ہے جس کا جواب محدثین اس طور پر دیتے ہیں کہ حسن میں تعدد طرق کا اعتبار علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس کی ایک قسم میں ہے اور جب حسن اور غرابت کے اجتماع کا حکم لگایا جائے تو مراد دوسری قسم ہے بعضوں نے کہا کہ اس کے ذریعے اختلاف طرق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس طور پر کہ بعض طریقوں میں غریب ہے اور بعض طریقوں میں حسن ہے بعضوں کے نزدیک واؤ او کے معنی میں ہے اس طور پر کہ انہیں یقینی طور پر معلوم نہ ہونے کے سبب سے شک ہے کہ حدیث غریب ہے یا حسن ہے بعضوں نے کہا کہ یہاں حسن کے معنی اصطلاحی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں یعنی جس کی طرف طبیعت مائل ہو لیکن یہ قول بہت ہی بعید ہے۔

حضرت غزالی زمان رازی دوراں علامہ احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

جامع ترمذی میں امام ترمذی کا قول :ھذا حدیث حسن۔غریب صحیح امام ترمذی رحمۃ اللہ کی عادت ہے کہ وہ جامع ترمذی میں اوصاف حدیث بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔"ھذا حدیث حسن صحیح"، یا "حسن غریب صحیح"۔

ظاہر ہے کہ حسن اور صحت کے جمع ہونے میں کوئی تردد پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے کسی حدیث کا حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ ہونا بھی ممکن ہے۔ اس طرح غرائب اور صحت کا جمع ہونا بھی ممکن ہے کیونکہ کسی حدیث کے تمام راویوں کا ثقہ ہونا اور اس میں صحت کے تمام شرائط کا پایا جانا اس بات کے منافی نہیں کہ اس کا کوئی راوی تنہا ہو۔ لیکن غرائب اور حسن کے جمع ہونے میں یہ اشکال پیدا ہوتی ہیں کہ امام ترمذی کے نزدیک حدیث حسن کی تعریف میں تعدد طرق معتبر ہے۔

اور حدیث غریب میں ضروری ہے کہ اس کا راوی تنہا ہو۔ اس لیے کسی حدیث کا حسن اور غریب ہونا درست نہیں۔

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض مشائخ حدیث نے امام ترمذی رحمہ اللہ کی طرف سے یہ جواب دیا ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک حدیث حسن میں مطلقاً تعدد طریق معتبر نہیں۔ لیکن اس کا اعتبار حدیث حسن کی ایک قسم ہے۔ ہر حدیث حسن میں نہیں امام ترمذی جس جگہ۔ "ھذا حدیث حسن غریب" کہتے ہیں وہاں ان کی مراد حسن سے وہ قسم ہے جس میں ان کے نزدیک تعدد طرق کا اعتبار نہیں۔ اس جواب کی بنا پر امام ترمذی کے نزدیک حدیث حسن کی دو قسمیں ہوئیں ایک وہ جس میں تعدد طرق کا اعتبار ہے دوسری وہ جس میں اس کا اعتبار نہیں اور ظاہر ہے کہ جس حدیث حسن میں تعدد طرق کا اعتبار نہیں وہ غریب ہو سکتی ہے اور بعض مشائخ نے کہا کہ ترمذی "حسن غریب" کہہ کر حدیث کی روایت کے طریقوں کے اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اس قول سے ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث بعض اسناد سے غریب ہے۔ اور بعض سے حسن اور بعض مشائخ کہتے ہیں کہ امام ترمذی کے قول "حدیث حسن غریب" میں واؤ (مذکور ہو یا محذوف بہر صورت) بمعنی "او" ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے یا غریب۔ مشائخ حدیث نے یہ ایک یہ بھی جواب دیا ہے کہ ترمذی کے اس قول میں "حسن" کے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی "ما یمیل الیہ الطبع" لیکن یہ قول بعید ہے اس لیے کسی کلام کو محل اصطلاح میں لغت پر حمل کرنا پسندیدہ نہیں۔ انتہی علامہ ابن صلاح نے مقدمہ ابن صلاح میں کہا ہے کہ ترمذی کے قول ھذا "حدیث حسن صحیح" میں اشکال ہے کیونکہ حسن صحیح سے قاصر ہے ان دونوں کو جمع کرنا قصور کی نفی اور اس کے اثبات کو جمع کرنا ہے۔ علامہ ابن صلاح نے اشکال مذکور وارد کر کے اس کا جواب دیا کہ یہ قول اسناد کی طرح راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے۔ ایک حسن ہے۔ دوسری صحیح علامہ ابن دقیق العید نے اپنی کتاب "الاقتراح" میں علامہ ابن صلاح کے اس جواب پر رد کرتے ہوئے کہا کہ امام ترمذی نے بعض جگہ کہا ہے " **هذا حديث حسن صحيح لا**

تعرفه الامن هذا الوجه'' علامہ موصوف نے کہا کہ میری نزدیک اس اشکال کا حل یہ ہے کہ ترمذی کے قول ''حسن صحیح'' میں حسن کا ذکر ہے۔ اس میں تصور عن الصحیح کی قید شرط نہیں البتہ جب وہ کسی حدیث کو صرف حسن کہیں تو وہ ضرور صحیح سے قاصر ہوگی اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ راویوں کی ان صفات کے لیے جو قبول روایت کی مقتضی ہیں۔ مختلف درجے ہیں۔ بعض اعلیٰ ہیں۔ بعض ادنیٰ۔ جیسے حفظ واتقان'' اور ''صدق عدم التهمة بالكذب'' اور ظاہر ہے کہ کسی راوی میں اعلیٰ درجہ کے وصف کا وجود اس میں ادنیٰ درجہ کے وصف کے پائے جانے کے منافی نہیں۔ جیسے ''حفظ و اتقان ''صدق ''اور ''عدم التهمته'' کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ اس لیے وجود ادنیٰ کے لحاظ سے کسی حدیث کو حسن کہنا اور اعلیٰ کے اعتبار سے اسی کو ''صحیح'' کہہ دینا یقیناً صحیح ہے۔

اس بنا پر صحیح حدیث کے لیے حسن ہونا ضروری ہوگا۔ جس کی تائید محدثین کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔

''هذا حديث حسن فى الاحاديث الصحيحه'' اور نیر متقدمین کے کلام میں موجود ہے۔ انتہیٰ

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے کہا کہ ''ہذا حدیث حسن صحیح'' پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ صحیح اور حسن کے درمیان ایک تیسرا مرتبہ ہے،

حافظ ابن کثیر نے کہا کہ حدیث مقبول کے تین مرتبے ہیں ایک اعلیٰ ہے اور دوسرا حسن ادنیٰ اور تیسرا وہ ہے جس میں دونوں سے ہر ایک کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ جیسے ایک چیز میٹھی ہے اور دوسری کٹھی اور ان کے درمیان تیسری چیز وہ ہے جس میں مٹھاس اور کھٹاس دونوں وصف مشترکہ طور پر پائے جائیں۔

حافظ ابن کثیر نے کہا۔ اس تقدیر پر ''حسنِ صحیح'' کا مرتبہ اس حدیث سے زیادہ ہوگا جس کو صف ''حسن'' کہا جائے۔ حافظ ابوالفضل عراقی نے ''لكنت علىٰ ابن الصلاح'' میں ابنِ کثیر کے اس قول کو تحکم قرار دیا۔

امام بدرالدین زرکشی اور حافظ ابوالفضل ابن حجر عسقلانی میں اپنے نکت علی ابن الصلاح

میں کہا کہ ابن کثیر کا یہ قول ''حسن'اور'' صحیح کے درمیان تیسری قسم کے اثبات کا مقتضی ہے۔
حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ شیخ سراج الدین بلقینی نے بھی محاسن الاصلاح میں اس جواب پر
اعتراض کیا لیکن امام شمس الدین بنہزاری نے اس پر حزم کیا اور کہا کہ امام ترمذی نے جس
حدیث کو ''حسنِ صحیح'' کہا ہے اس سے ان کی مراد وہ حدیث ہے جس میں ''صحت'او'' حسن''
دونوں کی مشابہت پائی جاتی ہے اور اس کا مرتبہ صحیح سے کم ہے۔

بدر الدین زرکشی نے کہا کہ جب کسی حدیث کو'' حسن صحیح'' کہا جائے تو ایسی صورتِ
خاصہ میں حراوف مراد ہوتا ہے اگر چہ یہ استعمال قلیل ہے لیکن اس بات کی دلیل ہے کہ اس
مخصوص صورت میں تراون مراد ہوتا ہے اگر چہ یہ استعمال قلیل ہے لیکن اس بات کی دلیل ہے
کہ اس مخصوص صورت میں تراوان مراد لے کر ''حسنِ صحیح'' کہنا جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ
ایک ہی سند میں دو حالتوں اور دو زبانوں کے اعتبار سے حسن اور صحیح کے حقیقی معنی ہی مراد ہوں
کیونکہ ممکن ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ایک شخص سے ایک مرتبہ ایسے حال میں سنا جب
کہ وہ مستور تھا۔ پھر وہی شخص معروف بالعدالت ہو گیا۔

اور امام ترمذی نے اس سے دوبارہ اس حدیث کو سنا۔ اس لیے انہوں نے ''حسنِ صحیح''
کہہ کر اس کے دونوں وصفوں کو بیان کر دیا اور اس میں شک نہیں کہ امام ترمذی نے ایک حدیث
ایک شیخ سے کئی مرتبہ سنی۔

بدر الدین زرکشی نے کہا کہ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ ایک حدیث امام ترمذی کے اجتہاد
کی روشنی میں حسن تھی۔ پھر وہی حدیث ان کے اجتہاد میں صحیح قرار پا گئی۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے
کہ انہوں نے جہاں ''حسنِ صحیح'' کہا ہے وہاں ان کی مراد یہ ہو کہ حدیث حسن کے اعلیٰ درجہ میں
اور صحیح کے ابتدائی درجہ میں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے طویل بحث کے بعد ابن دقیق العبید
کے جواب کو قوی کہا۔

امام بدر الدین زرکشی نے کہا کہ اسی قسم کا اشکال امام ترمذی کے اس قول پر بھی وارد ہوتا
ہے۔ **''هذا حديث حسن غريب''**

کیونکہ حسن کی شرط یہ ہے کہ وہ معروف من غیر وجہ ہو۔ اور غریب وہ ہے جس کا کوئی

راوی اس حدیث کے ساتھ منفرد ہو جائے اوران دونوں میں منافات سے علامہ زرکشی نے کہا کہ غریب کی قسموں میں سے ایک قسم جہت المتن ہے دوسری قسم غریب من جہت الاسناد امام ترمذی کے قول میں قسم ثانی مراد ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث صحابہ کی ایک جماعت سے معروف ہے لیکن کوئی راوی صحابی سے روایت کرتے ہوئے منفرد ہوگیا۔ ایسی صورت میں وہ حدیث متن کے اعتبار سے حسن ہے اوراسناد کے اعتبار سے غریب۔ ①

مقدمہ

"فصل: الاحتجاج فيے الاحكام بالخبر: الصحيح مجمع عليه وكذلک بالحسن لذاته عند عامة العلماء، وهو ملحق بالصحيح فی باب الاحتجاج وإن كان دونه فی المرتبة، والحديث الضعيف الذی بلغ بتعدد الطرق مرتبة الحسن لغيره أيضا مجمع. وما اشتهرأن الحديث الضعيف معتبر فی فضائل الاعمال الافی غيرها، المراد مفرداته مجموعها لانه داخل فی الحسن لا فی الضعيف صرح به الايمة، وقال بعضهم: إن كان الضعيف من جهة سوء حفظ أواختلاط اوتدليس مع وجود الصدق والديانة ينجبر بتعددالطرق وإن كان من جهة اتهام الكذب أوالشذوذ أوفحش الخطاء لاينجبر بتعدد الطرق. والحديث محكومه عليه ابالضعف ومعمول به فی فضائل الاعمال وعلىٰ مثل هذا ينبغی أن يحمل ما قيل :أن لحوق الضعيف بالضعيف لا يفيد قوة وإلا فهذا القول ظاهر الفساد فتدبّر"

"فصل: حدیث صحیح کا احکام میں حجت ہونا متفق علیہ ہے اوراسی طرح اکثر علماء کے نزدیک حسن لذاتہ بھی ہے کہ اس باری میں اس کا حکم بھی مثل صحیح کے ہے

---

① مقالات کاظمی حصہ اول

اگر چہ اس سے مرتبہ میں کم ہے اور حدیث ضعیف جو تعدد طریق کے ذریعے حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جائے اس کا قابلِ حجت ہونا بھی متفق علیہ ہے اور یہ مقولہ کہ حدیث ضعیف فضائل اعمال ہی میں معتبرہ ہے اس سے مراد اس کے مفردات میں اس لیے کہ وہ حسن میں داخل ہے ضعیف میں نہیں اس کی آئمہ نے تصریح کی ہے اور بعضوں نے کہا اگر ضعیف حافظہ کی خرابی یا اختلاط وتدلیس کے باعث ہو تو تعدد طرق کے ذریعے اس کی تلافی ہو جائے گی اور اگر اتہام کذب یا شذوذ اور خطائے فاحش کے باعث ضعیف ہو تو تعدد طریق کے ذریعے اس کی تلافی نہیں ہو سکتی ہے اور یہ مقولہ کہ ضعیف کا ضعیف کے ساتھ ملنا قوت کے لیے مفید نہیں اس کو ان حدیثوں میں جس کے ضعف کا حکم لگایا گیا ہے اور فضائل اعمال میں اس پر عملدر آمد بھی ہوتا ہے اسی تفصیل پر محمول کیا جائے گا ورنہ یہ قول بالکل لغو ہو جائے گا۔"

خبر مقبول اور اس کی اقسام:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے نزہۃ النظر میں خبر مقبول کی چار اقسام بیان کی ہیں۔ اور یہ چاروں احکام میں حجت ہیں جب کہ حدیث ضعیف فضائل اعمال میں، معتبر ہے احکام میں حجت نہیں ہے۔

⊙ صحیح الذاتہ ⊙ صحیح لیغرہ

⊙ حسن لذاتہ ⊙ حسن لیغرہ

ان اقسام کے بارے میں اجمالی طور پر یوں کہا جا سکتا ہے۔

* اگر کسی خبر میں اعلیٰ درجہ کی صفات قبولیت پائی جائیں تو وہ صحیح لذاتہ ہوگی۔
* اگر کسی خبر میں ان صفات کی کمی کثرت طرق سے پوری ہو گئی تو وہ صحیح لغیرہ ہوگی۔
* جب تمام صفات اعلیٰ درجہ کی ہوں لیکن ضبط ناقص تو وہ حسن الذالتہ توان ہوگی۔
* حدیث ضعیف کثرت طرق سے حسن لیغرہ بن جائے گی۔

حدیث ضعیف فضائل میں معتبر:

حدیث ضعیف فضائل اعمال اور مناقب کے باب میں معتبر ہے۔ چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:

"قال العلماء من المحدثین والفقهاء وغیرهم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا."

آئمہ محدثین فقہا اور دیگر علماء اکرام فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال ترغیب اور ترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا مستحب ہے جب کہ وہ موضوع نہ ہو۔ [1]

محدث بیہقی فرماتے ہیں:

اذا روینافی الثواب والعقاب وفضائل الاعمال تساهلنا فی الاسانید وثامحنا فی الرجال.

علامہ نووی کی عبارت اور محدث بیہقی کے قول سے ظاہر ہوگیا کہ فضائل اعمال ومناقب میں ضعیف حدیث عندالمحدثین قابل قبول ہے علامہ نووی کے علاوہ دیگر محدثین بھی ضعیف حدیث کے متعلق یہی حکم فرماتے ہیں حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) موضوعاتِ کبیر	ملاعلی قاری سنہ ۱۰۱۴ صفحہ نمبر ۶۳
(۲) مرقاۃ شرح مشکوۃ	ملاعلی قاری سنہ ۱۰۱۴ ۸۳۱ جلد دوم
(۳) قوت القلوب	امام ابوطالب محمد بن علی المکی سنہ ۳۸۳ جلد اول ص ۳۶۳
(۴) مقدمہ ابن صلاح	امام ابی عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن سنہ ۶۴۳ ص ۴۹
(۵) تدریب الراوی	امام جلال الدین سیوطی شافعی سنہ ۹۱۱ صفحہ ۳۹۸ جلد اول
(۶) کتاب الازکار	محدث ذکریا بن محمد شافعی سنہ ۹۳۶

اسی طرح علامہ ابن حجر الهیتمی نے فضائل اعمال کے سلسلے میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لیے دلیل دیتے ہوئے کہا۔

---

[1] کتاب الاذکار ص ۷۷.

قداتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال لانہ انہ کان صحیحا فی نفس الامر فقداعطی حقہ من العمل بہ والالم یترتب علی العمل بہ مفسدة تحلیل ولا تحریم ولا ضیاع حق للغبر.

''فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے اس لیے کہ اگر یہ حقیقت میں صحیح ہے تو اس پر عمل کرنے سے اس کا حق ادا ہو ورنہ اس پر عمل کرنے سے حلال اور حرام بتانے اور دوسروں کے حق کو ضائع کرنے کا خطرہ نہیں ہے۔''[1]

حدیث ضعیف کی تقویت کی وجوہ:

(۱) کبھی حدیث ضعیف متعدد اسناد سے مروی ہوکر حسن لیغرہ اور کبھی صحیح لیغرہ ہوجاتی ہے امام عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ عنہ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں۔

قد اجتح جمہور المحدثین بالحدیث الضعیف اذا کثرت طرقہ للحوقة بالصحیح تارة وبالحسنی اخریٰ.

''حدیث حسن جب متعدد طریقوں سے مروی ہو جمہور محدثین اسے لائق استدلال جانتے ہیں اور کبھی حسن کے ساتھ لاحق کردیتے ہیں۔''

حصول قوت کے لیے یہ ابھی ضروری نہیں کہ وہ طرق بہت کثیر یوں صرف دومل کر بھی قوی ہوجاتے ہیں تیر میں ہے۔

ضعیف بضعف عمرو بن الواقدلکنہ بقوی بورودہ بطریقین

''عمرو بن واقد کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن دوطریقوں سے آنے کی وجہ سے قوت پا گئی۔''

(۲) کسی حدیث ضعیف پر اہلِ علم کا عمل اس کو حسن بنادیتا ہے یعنی ضعیف حدیث پر علماء کا ملین عمل شروع کردیں تو وہ ضعیف نہ رہے گی حسن ہوجائے گی۔

---

[1] الفتح المبین شرح اربعین النووی ص ۳۲.

امام حاکم نیشاپوری صلوۃ التسبیح صلوۃ والتسبیح کی صحت پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وعما يستدل انه على صحة هذا الحديث اسعتمال الائمه من اتباع التابعين الى عصر تا هذا اياه ومواظيتهم عليه تعليمهن الناس منهم عبدالله بن المبارك.

"جس چیز سے حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اتباع تابعین سے لے کر ہمارے اسی دور تک تمام آئمہ اس پر دوام کے ساتھ عمل کرتے رہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے رہے ان آئمہ میں عبداللہ بن مبارک بھی ہیں۔"[1]

عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ صلوۃ التسبیح پڑھتے تھے اور بعد کے تمام علماء ایک دوسرے سے نقل کر کے پڑھتے ہیں حالانکہ صلوۃ التسبیح کے بارے میں واردشدہ حدیث ضعیف ہے۔

(۳) مجتہد کے استدلال سے بھی حدیث ضعیف کو تقویت مل جاتی ہے علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں۔

ان المجتهداذا استدل بحديث كان تصيحاله كما فى التحرير وغيره.

"مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے اس کا استدلال بھی حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل ہے جس طرح تحریر میں (امام ابن ہمام نے تحقیق کی) ہے۔"[2]

امام عبدالوہاب شعرانی شافعی لکھتے ہیں۔

ان قبل بضعف شئى من ادلة مذهبه فذالك الضعف انما هو بالنظر اللرواة الناذلين عن سنده موته (الى قوله) وكفانا صحة لحديث استدلال مجتهديه.

---

① المستدرك جلد ۱ ص ۳۱۹.　② ردالمختار جلد ٤ صفحه ۱.

''اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام اعظم کے دلائل میں سے کوئی حدیث ضعیف ہے یہ ضعف امام اعظم کی سند میں ان راویوں کی وجہ سے ہے جنہوں نے امام اعظم کی موت کے بعد اس حدیث کو راویت کیا اور ہمیں اس حدیث کی صحت کے لیے یہ کافی ہے کہ ایک امام مجتہد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔''[1]

(۴) کبھی تجربہ اور کشف سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے حضرت ملا علی قاری تحریر کرتے ہیں۔

سید المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فرمایا مجھے حضور سے یہ حدیث پہنچی کو جو لا الہ الا اللہ ستر ہزار بار کہے اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی اور میں نے کسی شخص کو اس کے بخشنے کی نیت نہیں کی۔

پھر اتفاق سے میں ایک دعوت میں گیا اس میں ایک جوان بھی تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ اس کو کشف ہوتا ہے اچانک یہ جوان کھانے کے دوران رونے لگا میں نے اس کے رونے کا سبب پوچھا اس نے کہا میں نے اپنی ماں کو عذاب میں مبتلا دیکھا ہے میں نے دل ہی دل میں اس ستر (۷۰) ہزار مرتبہ پڑھے ہوئے لا الہ الا اللہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا پھر وہ جوان ہنسنے لگا اور کہنے لگا میں اپنی ماں کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں۔

امام محمد الدین ابن عربی نے فرمایا میں نے اس حدیث کی صحت کو اس جوان کے کشف سے جان لیا اور اس جوان کے کشف کی صحت کو اس حدیث کی صحت سے جان لیا۔[2]

نوٹ :(ا): جب کوئی حدیث سند ضعیف کے ساتھ ملے تو اس حدیث کو ضعیف کہنا چاہیے مطلقاً حدیث ضعیف نہیں کہنا چاہیے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند صحیح ہو۔

(۲) حدیث ضعیف کی مزید تفصیل جاننے کے لیے مجدد اعظم محدث امام احمد رضا خان کا رسالہ ''نهج السلامہ فی حکم تقبیل الابھامین فی اقامۃ'' فتاوی رضویہ جلد صفحہ نمبر ۵۳۰ پڑھئے۔

مقدمہ

''فصل: لمّا تفاوتت مراتب الصحیح، الصحاح بعضها أصحّ من

---

[1] میزان الشریعۃ الکبری جلد ۱ ص ٦٥.
[2] مرقات جلد ۲ ص ۹۹.

بعض، فاعلم أنَّ الذى تقررّ عند جمهور المحدثين أنَّ صحيح البخارى مقدّم على سائر الكتب المصنفة، حتّى قالوا: أصحّ الكتب بعد كتاب الله، صحيح البخارى، وبعض المغاربة صحيح مسلم على صحيح البخارى والجمهور يقولون ،أنَّ هذا فيما يرجع إلى حسن البيان وجودة الوضع الترتيب ورعاية دقائق الاشارات ومحاسن النكات فى الاسانيد، و هذا خارج عن المبحث والكلام فى الصحة والقوة وما يتعلق هما، وليس كتاب يساوى صحيح البخارى فى هذا الباب بدليل كمال الصفات التى اعتبرت فى الصحة فى رجاله ،وبعضهم: توقف فى ترجيح أحدهما على الاخروالحق هو الاول،والحديث الذى اتفق البخارى و مسلم على تخريجه يسمى متفقاعليه أوبشرط أن يكون عن صحابى واحد، وقالوا:مجموع الاحاديث المتفقة عليها ألفان وثلاث مئة وستة وعشرون، وبالجملة ما اتَّفق عليه "الشيخان" مقدم على غيره ثم ما تفردبه البخارى ثم ما تفردبه مسلم، ثم ما كان على اشرط البخارى و مسلم ثم ما هو علىٰ شرط البخارى ثم ما هو على شرط مسلم، ثم ما هو رواه من غيرهم من الأيمة الذين التزموا الصحة وصحّحوه ، فالأقسام سبعة.والمراد ب شرط البخارى و مسلم،أن يكون الرجال متصفين بالصفات التى يتصف بها رجال البخارى و مسلم، من: الضبط والعدالة و عدم الشذوذ و"النكارة" و"الغفلة" وقيل المراد شرط البخارى و مسلم رجا لهما أنفسهم والكلام فى هذا طويل ذكرنا ه فى مقدمة شرح سفر السعادة"

"فصل: جب صحیح کے مراتب میں فرق ہے کہ بعض بعض سے اصح ہے تو جاننا چاہیے کہ جمہور محدثین کے نزدیک یہ ثابت ہے کہ صحیح بخاری تمام تصنیف شدہ

کتابوں پر مقدم ہی یہاں تک کہ ان لوگوں نے کہا کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ تصحیح کتاب صحیح بخاری ہے اور بعض مغرب والوں نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی اور جمہور کہتے ہیں کہ یہ باتیں حسنِ بیان وضع وترتیب کی خوبی دقیق اشارات اور اسناد میں نکات کی خوبیوں سے متعلق ہیں اور یہ خارج از بحث ہے گفتگو صحت وقوت اور اس سے تعلق رکھنے والی چیزوں میں ہے صحت وقوت میں کوئی کتاب صحیح بخاری کے برابر نہیں۔ان شرائط کی بنا پر جن کا امام بخاری نے صحت کے متعلق رجال حدیث میں لحاظ رکھا ہے بعضوں نے ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے میں توقف کیا لیکن پہلا مسلک حق ہے اور وہ حدیث جس کی تخریج میں بخاری ومسلم متفق ہوں اس کو متفق علیہ کہتے ہیں شیخ ابن حجر نے کہا بشرطیکہ وہ ایک ہی صحابی سے ہوں محدثین کہتے ہیں کہ متفق علیہ دو ہزار تین سو چھتیس حدیثیں ہیں مختصر یہ کہ جس پر شیخین متفق ہوں وہ دوسری حدیثوں سے افضل ہے۔ اس کے بعد جسے صرف بخاری نے روایت کیا پھر وہ جسے مسلم نے تنہا بیان کیا اس کے بعد وہ جو بخاری اور مسلم کی شرطوں کے مطابق ہیں پھر وہ جو بخاری کی شرطوں کے مطابق ہیں بعد ازاں وہ جو مسلم کی شرط کے مطابق ہیں پھر اس کے بعد ان کے علاوہ ان آئمہ کی روایت کردہ حدیثیں ہیں جنہوں نے صحت کا التزام کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے کل سات قسمیں ہوں گی بخاری ومسلم کی شرط سے مراد یہ ہے کہ رجال حدیث ان صفات کے ساتھ متصف ہوں جن کے ساتھ بخاری ومسلم کے رجال ضبط و عدالت اور عدم شذوذ نکارت اور غفلت میں متصف اور بعضوں نے کہا کہ شرط بخاری ومسلم سے مراد یہ ہے کہ اس کے رجال حدیث وہی لوگ ہوں جو بخاری ومسلم کے ہیں اس میں طویل کلام ہے جس کو ہم نے مقدمہ شرح سفر السعادۃ میں بیان کیا ہے۔

حدیث صحیح کے مراتب: حافظ ابنِ الصلاح لکھتے ہیں۔

⊙ جس حدیث پر صحیح بخاری وصحیح مسلم متفق ہوں۔

⊙ جس کو صرف اما بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہو۔

(اس سے تعلیقات سے خارج ہیں کیونکہ ان کا امام بخاری ذکر کرتے ہیں۔ سند کے ساتھ روایت نہیں کرتے۔

⊙ جس حدیث کو صرف امام مسلم نے روایت کیا ہو۔

⊙ جو حدیث امام بخار اور امام مسلم کی شرط پر ہو لیکن انہوں نے اس کو روایت نہ کیا ہو۔

⊙ جو حدیث صرف امام بخاری کی شرط پر ہو اور انہوں نے اس کا اخراج نہ کیا ہو۔

⊙ جو حدیث صرف امام مسلم کی شرط پر ہو اور انہوں نے اس کا اخراج نہ کیا ہو۔

⊙ جو حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر تو صحیح نہ ہو لیکن دوسرے آئمہ حدیث مثلاً امام ابن حبان اور امام ابن خزیمہ کے نزدیک صحیح ہو۔ ①

حافظ ابن صلاح لکھتے ہیں۔

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے سب سے پہلے احادیث صحیحہ کا مجموعہ تصنیف کیا اور ان کے بعد امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری متوفی ۲۶۱ھ نے احادیث صحیح کا مجموعہ پیش کیا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم۔ کتاب اللہ کے بعد کتابوں میں سب سے زیادہ صحیح ہیں اور ان دونوں میں صحیح بخاری زیادہ صحیح ہے۔ حافظ نیشا پوری اور بعض مغاربہ (علماء اندلیس) نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح دی ہے اس کا محمل یہ ہے کہ صحیح مسلم میں صرف احادیث صحیحہ ہیں جب کہ صحیح بخاری کے تراجم میں بعض غیر صحیح احادیث بھی موجود ہیں لیکن صحت اور قوت کے لحاظ سے صحیح بخاری کی احادیث صحیح مسلم پر راجح ہیں۔ ②

بخاری و مسلم کا موازنہ

صحیین کی مقبولیت ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن ان دونوں کتابوں کے مرتبے پر کچھ اختلاف بھی موجود ہے بعض مشائخ صحیح مسلم کو اولین درجہ دیتے ہیں ابوعلی النشاپوری کا قول

---

① علوم الحدیث صفحہ ۲۴۔ ۲۳.　② علوم الحدیث صفحہ ۱۳.

نزھۃ النظر میں منقول ہے۔ ماتحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم آسمان کے نیچے صحیح مسلم سے زیادہ کوئی صحیح کتاب نہیں۔ ①

حافظ ابن حجر ''نزھۃ النظر'' اس میں قول کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

فلم یصرح یکونه اصح من صحیح البخاری لانه انما نفی وجود کتاب اصحیح من کتاب مسلم اذالمنفی انهاهوما تقتفیه صیغة افصل من زیادة صحة فی کتاب شارک کتاب مسلم فی الصحة ممتاز بتلک الزیادة علیه ولم یتف الماواة

''انہوں نے اس بات کی تصریح نہیں کی کہ مسلم کی کتاب صحیح البخاری سے اصح ہے اس لیے کہ انہوں نے ایسی کتاب کے موجود ہونے کی نفی کی ہے جو مسلم کی کتاب سے زیادہ صحیح ہو صیغہ افصل تفصیل کا تقاضہ ہے جو زائد مفہوم اس سے مستفاد ہوتا ہے اس کی نفی ہو جائے اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحیح مسلم سے زیادہ صحیح نہیں باقی نفی صحت میں اگر کوئی کتاب اس کے مساوی ہو تو یہ عبادت اس کے منافی نہیں ہوگی۔ بعض علماء مغرب کا ذکر کرتے ہوئے ابنِ حجر فرماتے ہیں۔'' ②

''و کذالک مانقل عن بعض المقاربة انه فضل صحیح مسلم علی صحیح البخاری فذلک فیما یرجع الی حسن السیاق وجودة الوضع والترتیب ولم یقصح احد بان ذلک راجع الی الاصحیة.

''اس طرح بعض علماء مغرب سے منقول ہے کہ انہوں نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فضیلت دی ہے لیکن فضیلت ان امور کی بنا پر ہے جن کا تعلق سیاق اور وضع و ترتیب کی عمدگی سے ہے کسی نے بھی وضاحت سے یہ نہیں کہا کہ یہ فضیلت اصح ہونے کی وجہ سے ہے۔'' ③

---

① نزهة النظر صفحه ٥٩. ② شرح نزهة النظر ص ٥٩.

③ نزهة النظر ص ٥٩.

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحت کے لحاظ سے امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب امام مسلم رضی اللہ عنہ کی کتاب سے افضل ہے کیونکہ جن صفات وشرائط پر صحت کا دارومدار ہے وہ صحیح مسلم کے بجائے صحیح بخاری میں زیادہ قوی اور اتم ہیں۔ ①

اسی لیے صحیح بخاری کے لیے یہ مقولہ زبان زدعام ہے۔

"اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری الجامع الصحیح البخاری"

"کتاب اللہ عزوجل کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری کی الجامع الصحیح"۔

صفات کے لحاظ سے بخاری شریف۔ مسلم شریف کا موازنہ

اتصال سند:

اتصال سند کے اعتبار سے بخاری کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ امام مسلم کے نزدیک راوی کا مروی عنہ سے کم از کم ایک مرتبہ ملنا ضروری ہے بخلاف امام مسلم کے ان کے نزدیک معاصرت کافی ہے۔

عدالت وضبط رواۃ:

عدالت وضبط روات کے لحاظ سے بھی صحیح بخاری کے رواۃ کو صحیح مسلم کے رواۃ پر فضیلت حاصل ہے امام بخاری کے ہاں ایسے رجال کی تعداد مقابلۃ کم ہے جن پر جرح وطعن کی گنجائش ہے بخاری کے منفرد درجال کی تعداد (۴۳۵) چار سو پینتس ہے اور جن کے صعف کے بارے میں کلام کیا گیا ہے ان کی تعداد (۸۰) اسی ہے۔ ②

اس کے برعکس مسلم کے منفرد رجال کی تعداد ۶۲۰ ہے اور جن رجال کے صعف کے بارے میں کلام کیا گیا ان کی تعداد ۱۶۰ ایک سو ساٹھ ہے اور اس میں شک نہیں کی ان لوگوں سے حدیث کی تخریج کرنا جن پر کلام نہیں کیا گیا زیادہ بہتر یہ ہے نسبت ان کے جن کے بارے میں کلام کیا گیا یہ۔ ③

---

① نزھۃ النظر. ② تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی ص ۵۲.

③ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی ص ۵۲.

عدم شذوذ وعدم تعلل:

عدم شذوذ وعدم تعلل کی بنیاد پر بھی بخاری کو مسلم پر فضیلت حاصل ہے۔ امام بخاری کی احادیث پر امام مسلم کی احادیث کے مقابلے میں نسبتاً کم تنقید کی گئی ہے۔ صحیحین کی ۲۱۰ دوسو دس احادیث پر تنقید کی گئی ہے جن میں ۷۸ اٹھتر صرف بخاری میں ہیں اور ۱۰۰ سو مسلم میں ہیں جب کہ باقی دونوں میں مشترک ہیں۔ [1]

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

هذا مع اتفاق العماء على ان البخارى كان اجل من مسلم فى العلوم واعرف بضاعة الحديث منه وان مسلما تلميذه و خريجه ولم يزل يستفيد منه وتبع آثا لقد قال الدار قطنى "لولا البخارى لما داح مسلم والا جاء.،،

"اس کے ساتھ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ علوم میں بخاری کا درجہ مسلم سے زیادہ تھا اور بخاری فن حدیث میں مسلم سے زیادہ عارف تھے اور یہ کہ مسلم تو ان کے شاگرد اور تخریج کرنے والے تھے وہ ہمیشہ ان سے استفادہ کرتے رہے اور پیروی کرتے رہے جن کے امام دار قطنی نے کہا اگر بخاری نہ ہوتے تو مسلم اس مقام پر نہ ہوتے،، [2]

مقدمہ

"فضل :الاحاديث الصحيحة لم يتحصر فى صحيح البخارى، و مسلم ، ولم يستوعبا الصحاح كلها بل هما منحصر ان فى الصحاح، والصحاح التى عندهما وعلىٰ شرطهما أيضاً لم يوردا همافى كتابيهما فضلاً عمّا عند غيرهما، قال البخارى ما أوردت فى كتابى هذا إلا ما صح ، ولقد تركت كثيراً من الصحاح،

① تدريب الراوى. ② نزهة النظر.

وقال مسلم: الذی أوردت فی هذا الکتاب من الاحادیث صحیح ولا اقوال أن ماترکت ضعیف.ولا بدأن یکون فی هذا الترک والاتیان وجه تخصیص الایراد والترک، إمَّا من جهة الصحة أومن جهة مقاصد اخر.والحاکم أبوعبدالله النیسافوری صنّف کتابه ستاد المستدرک ، بمعنی أن ماترکه البخاری و مسلم من الصحاح ، اورده فی هذ ا الکتاب، وتلافی واستدرک بعضها علی شرط الشیخین، وبعضها علی شرط احدهما، وبعضها علیٰ غیر شرطهما، وقال: إن البخاری و مسلمالم یحکما بأنه لیس احادیث صحیحة غیر ماخرجاه فی هذین الکتابین، وقال قدحدث فی عصر نا هذا فرقة من المبتدعة، أطالو السنتهم بالطعن علی أیمة الدین بأن مجموع ماصح عندکم من الاحادیث لم یبلغ زها ء عشرة آلاف، ونقل عن البخاری أنه قال:حفظت من الصحاح مئة الف حدیث ومن غیر الصحاح مائتی ألف والظاهر والله أعلم أنه یرید الصحیح علی شرطه، و مبلغ ما أوردفی هذا الکتاب مع التکرار سبعة آلاف ومَّا ئتان وخمس وسبعین حدیثا و بعد حذف التکرارأربعة الاف، ولقد صنف الاخرون من الائمة صحاحًا مثل صحیح ابن خزیمة الذین یقال له امام الایمة وهو شیخ ابن حبان، وقال ابن حبان مارأیت علیٰ وجه الارض أحدا أحسن فی صناعة السنن وأحفظ اللا لفاظ الصحیحة من کان السنن والا حادیث کلها نصبه عینه ومثل صحیح ابن حبان تلمیذ ابن خزیمة،ثقة ثبت، فاضل، مام، فهام وقال الحاکم، کان ابن حبان من أوعیة العلم واللغة

والحديث والوعظ وكان من عُقلاء الرجال ،و مثل صحيح
الحاكم أبى عبدالله النيسافورى، الحافظ الثقة المسمى ب
السمتدراک وقد تطرق فى كتابه هذا التساهل واخذواعليه،
وقالو: ابن خزيمه وابن حبان، أمكن وأقوى من الحاكم واحسن
والطف فى الاسانيد والمتون ،و مثل المختارة للحافظ ضياء
الدين المقدسى هوا ايضاً خرج صحاحاليست فى الصحئحين،
وقالوا: كتابه أحسن من المستدرک ،و مثل صحيح ابن عوانة،
وابن سكن والمنتقى لا بن جارود وهذا الكتب كله مختصة
بالصحاح ولكن جماعة انتقدوا عليها تعصبا أوإ نصافا،وفوق
كل ذى علمُ عليم والله أعلم،،

،،فصل: صحیح حدیثیں صرف بخاری اور مسلم میں محصور نہیں ہیں اور نہ ان
دونوں نے تمام صحیح حدیثوں کو بیان کیا بلکہ یہ دونوں کتابیں صحیح حدیثوں ہی میں
منحصر ہیں اور بہت سی ایسی حدیثیں جوان دونوں کے نزدیک صحیح تھیں اوران
کے شرطوں کے مطابق بھی تھیں لیکن وہ اپنی کتابوں میں نہیں لائے چہ جائیکہ
ایسی حدیثیں لاتے ہیں جوان کے علاوہ دوسروں کے نزدیک صحیح تھیں یاان کی
شرطوں کے مطابق تھیں امام بخاری نے کہا کہ میں اپنی اس کتاب میں صرف
صحیح حدیثوں کو ہی لایا ہے اور بہت سی صحیح حدیثیں چھوڑ دی ہیں امام مسلم نے
کہا میں نے اس کتاب میں صحیح حدیثوں کو داخل کیا ہے لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ
جن حدیثوں میں نے چھوڑ دیا ہے وہ ضعیف ہیں البتہ اس چھوڑنے اور
حدیثوں کے لانے میں صحت یا کسی دوسری وجہ کو ضرور پیش نظر رکھا گیا ہے حاکم
ابوعبداللہ نیشاپوری نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام مستدرک رکھا ہے
کہ جن صحیح حدیثوں کو بخاری ومسلم نے چھوڑ دیا ہے ان کو اس کتاب میں بیان

کیا ہے اس کی تلافی کی ہے اور انکے علاوہ بعض وہ حدیثیں بیان کی ہیں جو شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں یا ان کے علاوہ دوسروں کی شرط کے مطابق ہیں اور کہا کہ بخاری و مسلم نے یہ حکم نہیں لگایا کہ ان دونوں نے اپنی کتابوں میں جو حدیثیں بیان کی ہیں ان کے علاوہ جو حدیثیں ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ اور کہا کہ ہمارے زمانہ میں بدعتیوں کی ایک جماعت نے آئمہ دین پر طعن و تشنیع کے ساتھ زبان درازی کی ہے ان کی حدیثوں کا مجموعہ جو تمہارے نزدیک صحیح ہیں ان کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں بڑھتی اور بخاری سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد تھیں اس سے ان کی مراد بظاہر یہ ہے کہ وہ صحیح جو انکی شرط کے مطابق ہو اور اس کتاب میں تکرار کے ساتھ بیان کی ہوئی حدیثوں کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر 7275 اور خلافِ تکرار کے بعد چار ہزار ہیں اور دوسرے آئمہ نے بھی صحاح تصنیف کی ہیں مثلاً صحیح ابن خزیمہ جنہیں امام الائمہ کہا جاتا ہے یہ ابن خبان کے استاد ہیں ابن حبان نے ان کی تعریف میں کہا کہ میں نے روئے زمین پر کسی کو نہیں دیکھا جو علمِ حدیث میں ان سے بڑھ کر ہو اور حدیث کے صحیح الفاظ کا ان سے بڑھ کر کوئی حافظ ہو گویا تمام حدیثیں ان کی نظروں کے سامنے تھیں۔ اور مثلاً ابن حبان جو ابن خزیمہ کے شاگرد ہیں ثقہ ثابت فاصل اور بہت زیادہ فہم رکھنے والے امام ہیں اور حاکم نے کہا کہ ابن حبان علم لغت و حدیث اور وعظ کے خزینہ تھے اور اپنے زمانہ کے عقلمندوں میں ان کا شمار تھا اور مثلاً صحیح حاکم ابو عبداللہ نیشا پوری جس کا نام مستدرک رکھا ہے اور اس کتاب میں کچھ تساہل بھی ہیں جن کی گرفت لوگوں نے کی ہے اور لوگوں نے کہا کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان حاکم سے زیادہ قوی اور اسناد و متون میں زیادہ پاکیزہ ہیں اور مثلاً مختارہ حافظ ضیاء الدین مقدسی کہ انہوں نے بھی وہ

صحیح حدیثیں بیان کی ہیں جو صحیحین میں نہیں ہیں اور محدثین نے فرمایا کہ ان کی کتاب مستدرک سے بہتر ہے اور مثلاً صحیح ابن عواز اور ابن سکن اور منتقی ابن جارود کی اور یہ ساری کتابیں صحیح حدیثوں کے ساتھ مختص ہیں لیکن ایک جماعت نے ان کتابوں پر تنقید کی ہے اور ہر صاحبِ علم پر فوقیت رکھنے والا ایک صاحب علم ہے۔

کیا صحیح حدیثیں بخاری و مسلم میں محصور ہیں؟

بعض لوگ ہر معاملے میں بخاری مسلم کی حدیث طلب کرتے ہین یہ ان کی کم علمی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ صحیح حدیثیں بخاری و مسلم میں محصور ہیں جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں جیسا کہ۔

حافظ ابن صلاح فرماتے ہیں فرماتے ہیں۔

''امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی کتابوں میں تمام احادیث صحیحہ کو منحصر کرنے کا التزام نہیں کیا۔ امام بخاری نے خود کہا ہے میں نے اپنی کتاب جامع میں صرف احادیث صحیح کو درج کیا ہے اور طوالت کی وجہ سے میں نے اکثر احادیث صحیحہ کو ترک کر دیا اور امام مسلم نے کہا ہے کہ میں نے اپنی صحیح میں صرف ان احادیث کو درج کیا ہے جن کی صحت پر اجماع ہے۔

حافظ ابوعبداللہ بن اخرم نے کہا کہ امام بخاری اور امام مسلم سے جو احادیث رہ گئی ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں یہ متروکہ احادیث کم نہیں ہیں کیونکہ امام حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری کی مستدرک علی الصحیین بہت بڑی کتاب ہے (یہ جہازی سائز کی چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے) اور اس میں ان احادیث صحیحہ کی بہت بڑی تعداد ہے۔ جو امام بخاری اور امام مسلم کی شرطوں کے موافق ہونے کے باوجود ان کی کتابوں میں نہیں ہے۔ اور خود امام بخاری نے کہا ہے کہ مجھے ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ حفظ ہیں۔ جب کہ ان کی کتاب صحیح بخاری میں درج کل احادیث صحیحہ کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتر ہے اور ان میں سے احادیث مکررہ کو حذف کرنے کے بعد کل احادیث کی تعداد چار ہزار ہے۔ ہاں اگر آثار صحابہ اور تابعین کو بھی شمار کیا جائے تو یہ تعداد اس سے زیادہ ہے اور محدثین کی اصطلاح میں جو حدیث واحد دو سندوں سے روایت کی گئی ہو اس کو بھی دو حدیثیں قرار دیا جاتا ہے۔ (حافظ

ابن حجر عسقلانی نے اس طرح کل احادیث کی تعداد نو ہزار بیاسی بتائی ہے اور حذف مکررات کے بعد کل احادیث مرفوعہ کی تعداد دو ہزار چھ سو تیس بتائی ہے۔) [1]

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

صحیحین کی تخریج میں بہ کثرت کتابیں ہیں۔ جن میں جید اسانید کے ساتھ احادیث کا اضافہ کیا گیا ہے مثلاً صحیح ابوعوانہ صحیح ابوبکر اسماعیلی اور برقانی اور ابونعیم اصبہانی کی اور دوسری کتابیں جن میں صحت کا التزام کیا گیا ہے۔ مثلاً صحیح ابن خزیمہ۔ صحیح ابن حبان۔ اسی طرح مسند احمد میں بہ کثرت ایسی احادیث ہیں جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے ہم پلہ ہیں اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہیں ہیں اور نہ ہی ابوداؤد۔ نسائی اور ابن ماجہ میں ہیں۔ اسی طرح طبرانی کی معجم کبیر۔ معجم اوسط اور معجم صغیر میں اور مسند ابویعلیٰ اور مسند بزار میں اور دیگر مسانید۔ معاجم فوائد اور اجزاء میں بکثرت ایسی حدیثیں ہیں جن کے رجال کی تحقیق کے بعد ان پر صحت کا حکم لگایا جاتا ہے۔ خواہ اس سے پہلے کسی حافظ نے ان کی صحت کی تصریح نہ کی ہو۔ جیسا کہ علامہ نووی کی تحقیق ہے اور حافظ ابن الصلاح کا اس میں اختلاف ہے (اس بحث کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ [2]

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دیگر آئمہ حدیث کی مصنفات میں بھی احادیث صحیحہ ہیں مثلاً ابوداؤد سجستانی امام ابوعیسیٰ ترمذی۔ امام ابوعبدالرحمٰن نسائی امام ابوبکر بن خزیمہ۔ امام ابوالحسن دارقطنی وغیرہم اور کسی حدیث کی صحت کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ وہ امام ابوداؤد۔ امام ترمذی امام نسائی یا دوسرے کسی امام کی ایسی کتاب میں موجود ہو جس میں صحیح اور غیر صحیح ہر قسم کی حدیثیں درج ہوں، وہاں حدیث کے صحیح ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ حدیث ایسی کتاب میں موجود ہو جس میں حدیث کو درج کرنے کے لیے صحت کی شرط لگائی ہے جیسے صحیح ابن خزیمہ۔ اور جن کتابوں میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تخریج کی گئی ہے جیسے ابوعوانہ اسفرائن ابوبکر اسماعیلی اور ابوبکر برقانی کی کتابیں جیسے ابوعبداللہ حمیدی کی کتاب الجمع بین الصحیحین ہے۔ [1]

---

[1] علوم الحدیث صفحہ ١٧. [2] اختصار علوم الحدیث. [3] علوم الحدیث.

تعداد احادیث کا بیان

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن حسین بغدادی نے کتاب المتیز میں لکھا ہے کہ ثوری۔ شعبہ، یحیی بن سعید القطان۔ ابن مہدی اور امام احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ بلاتکرار احادیث صحیحہ جو نبی ﷺ سے مسند اًمروی ہیں انکی کل تعداد چار ہزار چار سو ہے۔ یہ وہ احادیث ہیں جو بالخصوص احکام سے متعلق ہیں۔

امام اسحاق بن راہویہ سے روایت ہے کہ ان کی تعداد سات ہزار سے زیادہ ہے۔

امام احمد بن حنبل نے کہا میں نے ابن مہدی سے سنا کہ حلال اور حرام سے متعلق آٹھ سو احادیث ہیں، امام اسحاق بن راہویہ نے بھی یحیی بن سعید سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی نے ذکر کیا ہے کہ صحیحین میں احکام سے متعلق تقریباً دو ہزار حدیثیں ہیں۔ (النکت)

امام ابوداؤد نے امام ابن المبارک سے نقل کیا ہے کہ حلال اور حرام سے متعلق نبی ﷺ کے کل اقوال صریحہ کی تعداد نو سو ہے ان مختلف اقوال کی توجیہ یہ ہے کہ ہر ایک نے ان احادیث کا شمار کیا ہے جو اس تک پہنچی ہیں، اس وجہ سے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ (النکت)

امام حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں،

یہ قول کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی احادیث کا عدد دس ہزار تک بھی نہیں پہنچتا جب کہ نبی ﷺ سے چار ہزار مردوں اور عورتوں نے احادیث کو روایت کیا ہے جو بیس سال سے زیادہ مکہ اور مدینہ میں آپ ﷺ کی صحبت میں رہے اور انہوں نے آپ ﷺ کے اقوال اور افعال کو محفوظ رکھا، اور آپ ﷺ کی نیند اور آپ ﷺ کی بیداری، آپ ﷺ کی حرکات اور سکنات آپ ﷺ کے قیام اور قعود۔ عبادت میں آپ ﷺ کا مجاہدہ، آپ ﷺ کی سیرت۔ آپ ﷺ کے سراپا اور مغازی، آپ ﷺ کا مزاح اور آپ ﷺ کا جھڑکنا آپ ﷺ کا خطبہ اور آپ ﷺ کا کھانا پینا، آپ ﷺ کا چلنا اور آپ ﷺ کا خاموش رہنا، آپ ﷺ کی گھر والوں کے ساتھ خوش طبعی اور آپ ﷺ کا گھوڑے کو سدھانا، مشرکین اور

مسلمین کو خطوط لکھنا اور آپ ﷺ کے عہد واور مواثیق، غرضیکہ صحابہ کرام نے ہر لحظہ اور ہر منٹ کے احوال کو یاد رکھا۔

اور یہ تمام امور عبادات اور حلال وحرام سے متعلق ان احکام شریعت کے علاوہ ہیں جن کو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سکھا اور یاد رکھا اور ان تمام قضایا اور فیصلوں کے ماسوا ہیں جن کا رسول اللہ ﷺ نے بہ حیثیت امیر اور حاکم کے فصیلہ سنایا کیا ان حالات میں ذرا دیر کے لیے بھی یہ تصور کیا جا سکتا ہے، کہ وہ ہزاروں صحابہ جو میدان جہاد میں صف بہ صف نظر آتے ہیں وہ کوئی حدیث بیان کیے بغیر اللہ تعالیٰ کے گھر سدھار گئے، فتح مکہ کے سال جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ کے ساتھ پندرہ ہزار صحابہ تھے۔

امام احمد بن حنبل نے کہا احادیث صحیحہ کی تعداد سات لاکھ ہے، امام اسحٰق بن راہویہ اپنے حافظہ سے ستر ہزار حادیث لکھوادیتے تھے، حافظ ابو کریب نے کوفہ میں تین لاکھ احادیث بیان کیں، محدث ابوبکر بن ابی دارم کہتے ہیں کہ میں نے اپنی انگلیوں سے شمار کر کے ابو جعفر حضرمی سے ایک لاکھ حدیثیں لکھیں ہیں، محمد بن میسّب کا بیان ہے کہ جب میں مصر میں سفر کر رہا تھا تو میرے پاس ایک ہزار جزو تھے اور ہر جزو میں ایک ہزار حدیثیں تھیں (گویا کل دس لاکھ حدیثیں تھیں)

المدخل فی اصول:

علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔ ''علامہ نووی نے کہا ہے کہ کتب خمسہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم سنن ابی داؤد۔ سنن ترمذی اور سنن نسائی میں تقریباً کل احادیث موجود ہیں اور ان کے علاوہ بہت کم حدیثیں رہ جاتی ہیں، حافظ عراقی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری نے کہا مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں، اور ہوسکتا ہے کہ امام بخاری کی یہ مراد ہو کہ وہ احادیث مکررۃ الاسانید ہیں اور ان میں موقوفات (اقاویل صحابہ) بھی ہیں' کیونکہ اگر ایک حدیث دوسندوں سے مروی ہو تو وہ محدثین کے نزدیک دو حدیثیں ہیں، اور ابن جماعہ نے اطنہل الروی میں یہ لکھا ہے یا امام بخاری کی مراد کثرت میں مبالغہ ہے لیکن پہلی توجیہ زیادہ قوی ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر تمام مسانید، جوامع، سنن اور اجزاء وغیرہ کا تتبع کیا

جائے تو بلا تکرار احادیث صحیحہ اور غیر صحیحہ کی کل تعداد ایک لاکھ کو بھی نہیں پہنچتی، بلکہ پچاس ہزار کو بھی نہیں پہنچتی اور یہ بات بہت بعید ہے، کہ ایک شخص کو اتنی حدیثیں یاد ہوں جو پوری امت میں سے کسی کو بھی یاد نہ ہوں، اس کو صرف اتنی ہی حدیثیں یاد ہوں گی جو اس نے اپنے وقت کے مشائخ سے روایت کی ہوں گی۔

امام ابن جزوی نے کہا ہے کہ تمام احادیث کو حصر کرنے کا امکان بہت بعید ہے البتہ ایک جماعت نے ان کے حصر اور تتبع میں مبالغہ کیا ہے امام احمد نے کہا سات لاکھ سے زیادہ صحیح احادیث ہیں اور میں نے مسند میں ساتھ لاکھ پچاس ہزار حدیثوں سے منتخب کر کے حدیثیں لکھی ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے ان حدیثوں کا شمار کرے جو اس کو مل گئی ہیں پھر ان حدیثوں کو شمار کرے، جو اس سے رہ گئی ہیں تو احادیث کا شمار سہل ہے۔

میں کہتا ہوں کہ متاخرین نے اس پر کام کیا ہے کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے بعد معاصرین نے ان احادیث کو جمع کیا جو کتب مجمسہ پر زائد ہیں اور حافظ ابو الحسن ہیثمی نے مسند احمد کی ان حدیثوں کو دو جلدوں میں جمع کیا جو صحاح ستہ پر زائد ہیں اور مسند بزار حدیثوں کو ایک جلد میں جمع کیا اور طبرانی کی معجم کبیر کی زائد حدیثوں کو تین جلدوں میں جمع کیا اور مجمع اوسط اور معجم صغیر کی زائد حدیثوں کو دو جلدوں میں جمع کیا، اور ابو یعلی کی زوائد کو ایک جلد میں جمع کیا اور ان تمام زوائد کو اسانید حذف کر کے ایک کتاب میں جمع کیا اور اس کا نام مجمع الزوائد رکھا اور احادیث کی فنی حیثیت پر کلام کیا اور س میں بہ کثرت صحیح حدیثیں ہیں اور ابو نعیم کی حلیہ کی زوائد کو ایک جلد میں جمع کیا، اور ابن حبان کی زوائد کو ایک جلد میں جمع کیا اور اس کا نام موارد الظمان رکھا، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسحاق، ابن ابی عمر۔ مسدد۔ ابن ابی شیبہ حمیدی، عبد بن حمید، احمد بن منیع اور طیالسی کی زوائد کو دو جلدوں میں جمع کیا اور مسند الفردوس کی زوائد کو ایک جلد میں جمع کیا اور ہمارے صاحب شیخ زین الدین قاسم بن قطع بغا حنفی نے سنن دار قطنی کو زوائد کو ایک جلد میں جمع کیا اور میں نے امام بیہقی کی شیب الایمان کی زوائد کو ایک جلد میں جمع کیا، ان کے علاوہ اور بھی بہ کثرت کتب حدیث موجود ہیں اور ان میں بہ کثرت زوائد ہیں، اس لیے ان سب کے مجموعہ کا عدد اگر اس عدد (ساڑھے سات لاکھ) کو پہنچ جائے تو کچھ بعید نہیں ہے۔[1]

---

[1] تدریب الراوی۔

میں کہتا ہوں کہ ان اقوال کا حاصل یہ ہے کہ حلال اور حرام اور احکامُ شرعیہ سے متعلق کل احادیث کی تعداد سات ہزار ہے جیسا کہ امام اسحٰق بن راہویہ نے بیان کیا اور یہ احادیث مکررۃ الاسانید ہیں، اور ان کی تعداد بلا تکرار نو سو ہے جیسا کہ امام ابن المبارک نے بیان کیا ہے اور کل احادیث صحیحہ وغیر صحیحہ کی مجموعی تعداد سات لاکھ پچاس ہزار ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے بیان کیا ہے اور یہ احادیث مکررۃ الاسانید میں اور بلا تکرار کل احادیث کی تعداد تقریباً پچاس ہزار ہے جیسا کہ ابن جماعہ نے بیان کیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مقدمہ

مستدرک اس کتاب کے خطبے میں حاکم ابوعبداللہ نے اور اس کی تالیف کا سبب اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"وقد نبخ فی عصر نا هذا جماعة من المبتدعة يشمتون برواة الا ثار بان جميع ما يّصح خند كم من الحديث لا يبلغ عسرة الان حديث وهذه الاسانيد المجموعة المشتمله على الف جزء اواقل اواكثر منه كلها سقيمه غير صحيحة (وقد) سالنى جماعة من اعيان اهل العلم بهذه المدينة وغير ها ان اجمع كتا بايشتمل على الاحاديث المروية باسانيد يحتج محمد بن اسماعيل ومسلم بن الحجاج بمثلها اذلا سبيل الى اخراج مالا علة له فانهما رحمهما الله لم يد عياذلک لا نفسههما (وقد خرج) جماعة من علماء عصر هما ومن بعد هما عليهما احاديث قد اخرجها وحى معلومة وقد جهدت فى الذب عنهما فى المدخل الى الصحيح بما رضيه اهل الصنعة وانا استعين الله تعالي اخراج احاديث رواها اثقات قد اجتح بمثلها الشيخان رضى الله عنهما اواحد هما وهذا اشرط الصيح عند كافة فقها

واهل الاسلام ان الزيادة فى الاسانيد والمتون من الثقاب مقبولة
والله المعين على ماقصد ته وهو حسبى ونعم الوكيل"

"ہمارے اس زمانے میں مبتدمین کی ایک جماعت پیدا ہوئی ہے جو حدیث کے راویوں پر یہ کہہ کر سب وشتم کرتی ہے کہ کل وہ حدیثیں جو تمہارے نزدیک صحت کو پہنچ چکی ہیں وہ دس ہزار سے زیادہ نہیں ہیں، اور یہ اسانید جو جمع کی گئی ہیں اور ہزاروں جز و یا کم وبیش پر مشتمل ہیں وہ سب سقیم اور غیر صحیح ہیں اور مجھ سے اس شہر کے عالموں کی ایک ممتاز جماعت نے یہ خواہش کی کہ میں ایک ایسی جامع کتاب لکھوں کہ جس میں وہ حدیثیں جمع کی جائیں جن کی سندوں سے امام بخاری اور امام مسلم نے استدلال کیا ہو اس وجہ سے کہ جو سند علت قادحہ سے خالی ہو اس کو نکال ڈالنے کی کوئی صورت نہیں کیونکہ ان دونوں بزرگوں نے اپنے متعلق یہ دعوی کبھی نہیں کیا ادھر ان دونوں کے معاصرین اور انکے بعد آنے والے علماء کی ایک جماعت نے چند ایسی احادیث کی تخریج کی تھی جن کا اِخراج اِن دونوں نے کیا تھا اِس سے وَجہ سے وہ حدیثیں معلول تھیں تو میں نے ایسی احادیث کی جانب سے مدافعت کرنے میں اپنی اس کتاب کے اندر جس کا نام المدخل الی الصحیح بمارضیہ اهل الصنعۃ ہے پوری کوشش کی اور میں اللہ سے ایسی احادیث کے اخراج پر جن کے رواۃ ایسے ثقہ ہوں جن سے شیخین بھی استدلال کر سکتے ہوں امداد کا طالب ہوں اور تمام فقہائے اسلام کے نزدیک اسانید ومتون میں ثقات کی زیادتی مقبول ہے اور اللہ ہی اس چیز پر مددگار ہے جس کا میں نے قصد کیا ہے اور وہ کافی ہے اور اچھا وکیل ہے۔

مستدرک کی فنی حیثیت:

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں

جو حدیثیں امام بخاری اور امام مسلم سے رہ گئی ہیں ان پر استدراک (اضافہ) کرنے کے

لیے امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری متفی ۴۰۵ھ نے مستدرک لکھی جو چار کبیر اور ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے امام حاکم نے امام بخاری اور امام مسلم کے راویوں سے حدیثیں روایت کی ان دونوں کی اس میں سے کسی ایک کی شرط پر حدیثیں روایت کیں اور جو حدیثیں انکے اجتہاد کے مطابق صحیح تھیں خواہ وہ اِن میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق نہ ہوں حدیث کو صحیح قرار دینے میں وہ وسیع المشرب تھے اور صحت کا فیصلہ کرنے میں تساہل تھے اس لیے اولی یہی ہے کہ ہم متوسط قول تیار کریں اور وہ یہ ہے کہ جس حدیث کو امام حاکم صحیح کیں اور کسی اور امام نے اس حدیث کو صحیح نہ کہا ہو تو اگر وہ صحیح نہیں ہے تو (کم از کم) حسن ہے اس سے استدلال کیا جائے گا اور اس پر عمل کیا جائے گا یہ بشرطیکہ ان میں کوئی علت نہ ہو جو اس کے ضعف کا موجب ہو۔[1]

حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں۔

قاضی القضاۃ بدرالدین بن جماعہ نے اس سے اختلاف کیا ہے کہ جب حاکم کسی حدیث کی تصحیح میں منفرد ہو تو اس کو حسن قرار دیا جائے گا وہ کہتے ہیں بلکہ تحقیق کی جائے گی اور اس حدیث کا صحیح حکم معلوم کیا جائے گا کیا وہ صحیح ہے، حسن ہے یا ضعیف ہے اور اس کے مطابق اس پر حکم لگایا جائے گا۔[2]

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: مستدرک میں امام حاکم کی اضافہ کی ہوئی احادیث کی حسب ذیل تین قسمیں ہیں۔

جس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اس کو انہوں نے صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کے راویوں سے صورت اجتماع پر روایت کیا ہے جس سے امام بخاری اور مسلم دونوں یا کسی ایک نے استدلال کیا ہو اور وہ علل سے محفوظ ہے، اس قسم کی حدیث مستدرک میں بہت نادر ہے۔

۲۔ جس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اس کی اسناد سے امام بخاری اور امام مسلم نے بطورِ استدلال حدیث روایت نہیں کی بلکہ شواہد۔ متابعات تعالیق وغیرہ میں اس سند کا ذکر کیا ہو اس قسم کی احادیث حدیث صحیح کے درجہ سے کم ہیں، بلکہ ان میں شاذ اور ضعیف بھی ہیں لیکن

---

① علوم الحدیث ص ۱۸۔ ② التقید والایضاح ص ۳۰۔

ایسی احادیث کی اکثریت حسن سے کم نہیں ہے اور ہر چند کہ امام حاکم متقدمین کی اتباع میں صحیح اور حسن میں فرق نہیں کرتے بلکہ امام ابن خزیمہ اور امام بن حبان اسے اپنے مشائخ کی اتباع میں ان کو احادیث صحیحہ قرار دیتے ہیں لیکن یہ چیز ان کے اس عوی کے خلاف ہے کہ مستدرک میں شیخین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر احادیث ہیں۔

۳۔ جس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا ہے اس کی اسناد سے امام بخاری اور امام مسلم نے بہ طور استدلال حدیث روایت کی ہو نہ بہ طور متابعات اس قسم کی احادیث مستدرک میں بہ کثرت ہیں امام حاکم ایسے بہت لوگوں سے حدیث روایت کرتے ہیں جو صحیحین میں نہیں ہیں لیکن وہ یہ دعوی نہیں کرتے کہ یہ ان میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں اور بعض اوقات وہم کے سبب سے ایسا دعوی کرتے ہیں اور اس قسم میں مشکل سے کوئی ایسی حدیث ہوگی جو حدیث صحیح کے درجہ کو پہنچے شیخین کی شرط پر ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔

ہمارے بیان کردہ معیاد کے اعتبار سے مستدرک میں جو احادیث شیخین یا ان میں سے کسی ایک شرط پر ہیں ان کی تعداد ایک ہزار سے بھی کم ہے۔ (النکت)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔ امام حاکم تصحیح حدیث میں متساہل ہیں علامہ نووی نے شرح المہذب میں لکھا ہے کہ حفاظ کا اس پر اتفاق ہے کہ حاکم کے شاگرد بیہقی ان سے زیادہ تحقیق کرتے ہیں، حافظ ذہبی نے مستدرک کا خلاصہ کیا ہے اور مستدرک کی بہ کثرت احادیث کو ضعیف اور منکر قرار دیا ہے، اور ایک رسالہ میں مستدرک کی تقریباً ایک سو موضوع احادیث جمع کی ہیں۔

ابو سعید العینی نے کہا میں نے مستدرک کا اول سے آخر تک مطالعہ کیا اس میں ایک حدیث بھی صحین کی شرط پر نہیں ہے، حافظ ذہبی نے کہا یہ انتہائی غلو ہے اور نہ اس میں شیخین کی شرط پر یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر بکثرت احادیث ہیں اور شاید اس کا مجموعہ نصف کتاب کے برابر ہو اور چوتھائی مستدرک میں دیگر صحیح سند احادیث ہیں اور ان میں سے بعض میں ضعیف یا علت ہے اور باقی چوتھائی میں ضعیف اور منکر روایات ہیں اور بعض موضوعات بھی ہیں۔

شیخ الاسلام (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے کہا کہ امام حاکم کے تساہل کی وجہ یہ ہے کہ انہوں

نے کتاب کا مسودہ تیار کیا اور اسپر نظر ثانی کرنے سے پہلے ان کو موت نے آلیا، (الی قولہ) علامہ نووی نے کہا ہے مستدرک کی جس حدیث کو متقدمین نے صحیح قرار دیا ہو نہ ضعیف اگر اس میں صعف کی کوئی وجہ نہ ہوتو ہم اس کو حسن قرار دیں گے،۔ (تدریب الراوی)

علامہ سخاوی لکھتے ہیں: امام حاکم متساہل ہیں اور انہوں نے ضعیف احادیث تو الگ رہیں کئی موضوع احادیث کو بھی صحیح قرار دیا ہے اس کی وجہ یا تو تعصب ہے کیونکہ ان پر تشیع کی تہمت تھی بلکہ اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی عمر کے آخر میں مستدرک کو تصنیف کیا، اس وقت انکے حافظہ میں تغیر ہو چکا تھا اور ان پر غفلت طاری تھی ان کو اس پر نظر ثانی کرنے کا موقع نہ مل سکا الرحافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ بعض راویوں کا حاکم نے کتاب الضفعاء میں ذکر کیا ہے، اور ان سے روایت کرنے کو منع کیا ہے پھر خود ان کی روایات کو مستدرک میں صحیح لکھا ہے ان راویوں میں سے ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے۔ [1] اس کی دلیل یہ ہے کہ مستدرک کے پہلے پانچویں حصہ میں باقی کتاب کی بہ نسبت تساہل بہت کم ہے۔ [2]

مقدمہ

فضل الكتب الستة المشهورة المقررة فى الاسلام التى يقال لها الصحاح الستة هى صحيح البخارى، وصحيح مسلم،و الجامع اللترمذى، والسنن لابى داؤد والنسائى، و سنن ابن ماجه، وعند البعض المؤطأ بدل ابن ماجة، وصاحب جامع الاصول اختار المؤطا، وفى هذا الكتاب الاربعة أقسام من الأحاديث من الصاح والحسان والضعاف، و تسميتها بالصحاح الستة بطريق التغليب، وسمّى صاحب المصابيح أحاديث غير الشيخين بالحسان وهو قريب من هذا الوجه قريب من اللمعنى اللغوى،أوهو اصلاح جديده منه، وقال بعضهم : كتاب الدارمى أحرى و أليق بجعله سادس الكتب، لا ن رجاله أقل ضعفاً،

---

① لسان الميزان ج ۵ ص ۲۲۳.
② فتح المغيث.

ووجود الاحاديث المنكرة والشاذة، فيه نادر،وله أسانيد عالية وثلاثياأكثر من ثلاثياته، أكثر من ثلاثيات البخارى، وهذا المذكورات امن الكتب اشهر الكتب وغير ها من الكتب كيثرة شهيرة والقد أورد السيوطى فى كتاب جمع الجوامع من كتب كثيرة، يتجاوز خمسين مشتملة على الصحاح والحسانو الضعاف، وقال: ما أوردت فيها حديث موسوماًبالوضع اتفق المحدثون علي تركه ورده والله اعلم وذكر صاحب المشكاة فى ديباجة كتابه جماعة من الايمة المتقين وهم البخارى و مسلم والامام مالك، والا مام الشافعى والامام احمد بن حنبل والترمذى وأبوداؤد والنسائى، وا بن ماجة والدارمى، فى الدار قطنى والبيقهى ورزين وأجمل فى ذكر غير هم وكتبنا أحواله فى كتاب مفرد مفرد مسمى ب الاكمال بذكر أسماء الرجال لصاحب المشكاة فهو ملحق فى اخرهذا له .

''فضل، وہ چھ کتابیں جو اسلام میں مقرر اور مشہور ہیں اور ان کو صحاح ستہ کہا جاتا ہے وہ یہ ہیں صحیح بخاری، صحیح مسلم جامعہ ترمذی، سنن ابی داوٗد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ سنن ابی ماجہ بعض کے نزدیک ابن ماجہ کی جگہ موطا ہے صاحب جامع الاصول نے مؤطا ہی کو اختیار کیا ہے اور ان چار کتابوں میں صحیح حسن اور ضعیف ہر قسم کی حدیثیں بیان کی ہیں لیکن صحاح ستہ نام رکھنا تغلیب کے طور پر ہے صاحب المصابیح نے شیخین کے علاوہ کی حدیثوں کا نام رکھا ہے جو جدید اصطلاح اور لغوی معنی کے قریب ہے بعضوں کا خیال ہے کہ کتاب دارمی کو چھٹی کتاب شمار کیا جانا زیادہ مناسب ہے اس لیے کہ اس کے رجال ضعف میں کم ہیں اور منکر وشاذ حدیثوں کا وجود اس میں کم ہے اور اس کی سند عالی ہیں، اس کی ثلاثیات بخاری کی ثلاثیات سے زیادہ ہیں اور کتابیں جو ذکر ہوئیں وہ

مشہور کتابیں ہیں ان کے علاوہ بہت سی کتابیں ہیں، جو مشہور ہیں۔ سیوطی نے اپنی کتاب جمیع اجوامع میں بہت سی کتابوں سے حدیثیں لی ہیں جو پچاس کی تعداد سے بھی متجاوز ہیں اور صحیح وحسن اور ضعیف حدیثوں پر مشتمل ہیں اور کہا کہ میں نے اس میں کوئی ایسی حدیث نہیں بیان کی ہے جو موضوع مشہور ہو اور اس کے رد اور ترک پر محدثین کا اتفاق ہو واللہ اعلم، صاحبُ مشکوۃ نے اس کتاب کے دیباچہ میں بڑے بڑے آئمہ کا تذکرہ کیا ہے جن کے نام یہ ہیں، بخاری مسلم امام مالک امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ترمذی، ابوداوٗد نسائی، ابن ماجہ، دار قطنی، بیہقی اور زرین رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ دوسروں کا ذکر اجمال کے ساتھ کیا ہے، اور ہم نے ان کے حالات اکمال بذکر اسماء الرجال میں لکھے ہیں اللہ ہی کی طرف سے توفیق ملتی ہے، اور ابتداء وانتہا میں اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے،

صحاح ستہ:

عوام میں ایک بہت بڑی غلط فہمی یہ موجود ہے کہ صحاح ستہ میں تمام صحیح حدیثیں موجود ہیں یعنی صحاح ستہ میں کوئی بھی ضعیف حدیث موجود نہیں اور کچھ لوگ عوام کو گمراہ کرنے کے لیے اس غلط فہمی کا فائدہ اُٹھاتے ہیں، یاد رہے کہ صحاح ستہ کو تغلیبا صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ یعنی صحاح ستہ میں کثیر تعداد یا غالب اکثریت صحیح حدیثیں موجود ہیں۔

اسی طرح بھی غلط فہمی ہے کہ بخاری یا صحاح ستہ کے علاوہ صحیح حدیث کا وجود نہیں اسی لیے عوام کو گمراہ کرنے کے لیے بخاری یا صحاح ستہ سے دلیل مانگی جاتی ہے، حالانکہ یہ غلط ہے۔ صحاح ستہ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ جو کچھ صحاح ستہ میں ہے اس کا ایک ایک نقطہ صحیح ہے، اور اس کے علاوہ تمام احادیث غلط ہیں حدیث کی قبولیت کے بارے میں جاننے کے لیے اصول حدیث کا ماہر ہونا اور احادیث کی کثیر تعداد سے باخبر ہونا ضروری ہے اور ہم حنفیوں کے لیے تو امام اعظم کی تقلید ہی نجات کا ذریعہ ہے، کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ جس دور میں پیدا ہوئے اس دور میں تقریباً بیس صحابہ کرام سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی میٹھی میٹھی باتیں بیان کرتے تھے اور ان میں کم از کم سات صحابہ کرام کی زیارت امام اعظم نے کی۔

- حضرت انس رضی اللہ عنہ
- حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ
- حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ
- حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ
- حضرت عمر بن حریت رضی اللہ عنہ
- حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ
- حضرت واثلہ بن اصقع رضی اللہ عنہ

اور بعض محققین اس کے بھی قائل ہیں کہ آپ نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی بھی زیارت کی ہے آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ اکرام علیہم الرضوان کے علاوہ کثیر تعداد میں تابعین کی زیارت کی اور ان سے علم دین حاصل کیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے پاس بہت سے صندوق تھے جس میں ان احادیث کے صحائف تھے جنہیں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے تین سو ۳۰۰ تابعین سے حاصل کیا حضرت امام اعظم کے شیوخ کی تعداد چار ہزار تھی۔

جب یہ بات ثابت ہے اور سب ہی کو معلوم ہے کہ فنِ اُصول حدیث میں علوسند کی کتنی اہمیت ہے اور ہم سب یہ بھی جانتے ہیں کہ وسائط جتنے زیادہ ہوں گے خطرات بھی اتنے ہی زیادہ ہوں گے اور وسائط جتنے کم ہوں گے تو غلطی کے احتمالات اتنے ہی کم ہوں گے اور تقریباً سب ہی جانتے ہیں کہ امام اعظم نے صحابہ اکرام علیہم الرضوان سے احادیث مبارکہ حاصل کیں اور خود تابعین ہونے کے علاوہ کبار تابعین سے بھی کثیر احادیث مبارکہ حاصل کیں۔

حضرت علامہ عبدالمصطفٰی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اولیاء رجال الحدیث میں اکابر محدثین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور نام ونسب محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بروزبہ بخاری جعفی ہے آپ کے پردادا مغیرہ حاکم بخارا یمان جعفی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اور چونکہ اس زمانے کا دستور تھا کہ جو شخص کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا تھا تو اس کو اسی قبیلے کی طرف منسوب کرتے تھے اس لیے امام بخاری کو بھی جعفی کہنے لگے۔

آپ ۱۳شوال ۱۹۴ھ کو جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ پیدا ہوئے اور باسٹھ سال کی عمر میں شب شنبہ عید الفطر کی رات میں عشاء کی نماز کے وقت ۲۵۶ھ میں وفات پائی اور خرتنگ گاؤں میں جو سمرقند سے دس میل کے فاصلے پر ہے، مدفون ہوئے کسی بزرگ نے آپ کے سنِ ولادت و مدت عمر و سنِ وفات کو ایک قطعہ میں بیان کیا ہے۔

کان البخاری حافظا و محدثاً
جمع الصحیح مکمل التحریر
میلاده صدق ومدة عمره
فیها حمید وانقضی فی نور

اس قطعہ میں لفظ صدق کے اعداد ۱۹۴ سنِ ولادت اور حمید کے اعداد ۶۲ مدت عمر۔ اور نور کے اعداد ۲۵۶ وفات کا سال ظاہر کرتے ہیں، امام بخاری بچپن ہی میں نابینا ہوگئے تھے، اِس وَجہ سے ان کی والدہ کو بڑا رَنج وَقلق رہتا تھا اور وہ ہر وقت نہایت گریہ وزاری کے ساتھ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے فرزند کی بصارت کے لیے دُعائیں مانگا کرتی تھیں، ناگہاں ایک رات انکی والدہ کو خواب میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کا دیدار ہوا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری گریہ وزاری اور دعا کے سبب سے تیرے فرزند کو بصارت عنایت فرمائی، چنانچہ جب وہ صبح کو اٹھیں تو اپنے نور نظر کی آنکھوں کو روشن و بینا پایا۔

امام بخاری کو احادیث یاد کرنے کا شوق بچپن ہی سے تھا اور حافظہ بے حد قوی تھا چنانچہ دس سال کی عمر میں آپ کا یہ حال تھا کہ مکتب میں جو حدیث سنتے اس کو یاد کر لیتے، مکتب سے فراغت پانے کے بعد پتا چلا کہ امام داخلی بہت بڑے عالم حدیث ہیں تو اُن کی خدمت میں آنے جانے لگے، ایک روز کا واقعہ ہے کہ امام داخلی اپنی کتابوں سے لوگوں کو احادیث سنا رہے تھے ان کی زبان سے نکلا کہ سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم امام بخاری فوراً بول اُٹھے کہ ابوالزبیر تو ابراہیم سے روایت نہیں کرتے امام داخلی نے امام بخاری کی بات کو تسلیم نہیں کیا تو امام بخاری نے کہا کہ اِس کو کتاب کے اصل نسخہ میں دیکھنا چاہیے، چنانچہ امام داخلی نے مکان میں جا کر اَصل نسخہ کا مطالعہ کیا اور باہر آ کر فرمایا کہ اِس لڑکے کو بلاؤ، اِمام بخاری حاضر ہوئے تو امام داخلی

نے فرمایا کہ میں نے اِس وقت جو پڑھا تھا وہ شک غلط تھا اچھا اب تم بتاؤ کہ صحیح کس طرح ہے؟ توامام بخاری نے عرض کیا کہ صحیح سفیان عن الزبیر بن عدی عن ابراہیم ہے، امام داخلی حیران رہ گئے، اور فرمایا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو، پھر قلم اٹھا کر اپنی کتاب کی تصحیح کرلی، یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب امام بخاری کی عمر صرف گیارہ سال کی تھی۔

جب امام بخاری سولہ برس کے ہوئے تو عبداللہ بن مبارک کی تمام کتابیں یاد کرلیں، اور محدث وکیع کے تمام نسخے بھی ازبر کر ڈالے پھر اپنی والدہ اور اپنے بھائی احمد بن اسمعیل کے ہمراہ حج کے لیے روزانہ ہوئے حج سے فراغت ہوئی تو والدہ اور بھائی وطن واپس چلے آئے اور خود بلاد حجاز میں طلب حدیث کے لیے ٹھہر گئے اور تمام علمی مرکزوں کا سفر کر کے ایک ہزار اسی شیوخ کی خدمتوں میں حاضری دے کر چھ لاکھ حدیثوں کو زبانی یاد کرلیا، علم حدیث کی طلب میں آپ نے مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ۔ کوفہ بصرہ بغداد مصر واسطہ الجزائر شام بلخ، بخارا مرو اہرات نیشاپور وغیرہ علمی مرکزوں کا بار بار سفر فرمایا۔

حاشد بن اسمعیل (جو امام بخاری کے زمانے کے محدث ہیں) کہتے ہیں کہ امام بخاری طلب حدیث کے لیے میرے ہمراہ محدثین کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے لیکن ان کے پاس قلم دوات وغیرہ لکھنے کا کوئی سامان نہ ہوتا تھا، اور نہ وہ درس کی مجلسوں میں کچھ لکھتے تھے آخر میں نے اِن سے ایک دن کہہ دیا جب تم حدیث کو سن کر لکھتے ہی نہیں تو درس گاہ میں تمہارے آنے جانے سے کیا فائدہ؟ سولہ دن کے بعد امام بخاری نے مجھ سے کہا کہ تم لوگوں نے مجھ کو بہت کچھ کہہ ڈالا، اچھا آؤ اب میری یادداشت کا تم لوگ اپنی لکھی ہوئی کاپیوں سے مقابلہ کرو اِس مدت میں ہم لوگوں نے پندرہ ہزار حدیثیں لکھی تھیں، امام بخاری نے ان پندرہ ہزار حدیثوں کو زبانی اس طرح سُنا دیا کہ میں خود اپنی لکھی ہوئی کاپیوں کو ان کی یادداشت سے صحیح کرتا تھا، اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا کہ تم لوگ سمجھتے ہو کہ میں خوامخواہ بلا فائدہ ادھر ادھر کی درسگاہوں میں سرگردانی کرتا رہتا ہوں، حاشد بن اسمعیل کا بیان ہے کہ میں اسی دن یہ سمجھ گیا تھا کہ امام بخاری وہ ہونہار طالب علم ہیں کہ آگے چل کر کوئی ان سے مقابلہ نہیں کرسکے گا۔
چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ علم حدیث میں امام الدنیاء و شیخ الاسلام و امیر المومنین فی

الحدیث ہوئے اور دُنیا بھر کے مشائخ حدیث سے خراج تحسین حاصل کیا، امام مسلم بن الحجاج قشیری آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پہلے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا پھر عرض کیا کہ یا استاذ الاستاذین ویا سید المحدثین ویا طبیب الحدیث آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کا پاؤں چوم لوں، امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ خراسان کی زمین پر امام بخاری جیسا کوئی محدث پیدا نہیں حوا، اور محمد بن اسحٰق بن خزیمہ (جو مشرق ومغرب کے مشائخ حدیث کی صحبت اُٹھا چکے تھے) علانیہ کہا کرتے تھے کہ آسمان کے نیچے امام بخاری سے بڑھ کر کوئی عالم حدیث نہیں ہے اٹھارہ سال کی عمر سے تصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا، یوں تو آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں مگر آپ کی تصانیف میں کتاب التاریخ وصحیح بخاری نہ دو بہت ہی معرکتہ الارااومشہور کتابیں ہیں۔

صحیح البخاری:

صحیح بخاری کی تصنیف کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن اسحٰق بن راہوایہ کے احباب نے کہا کیا ہی اچھا ہوتا اگر کسی محدث کو اللہ تعالی یہ توفیق عطا فرمانا کہ وہ علم حدیث میں کوئی ایسی مختصر کتاب تیار کر دیتا جس میں صرف وہی حدیثیں درج ہوں جو صحت میں اعلیٰ مرتبہ رکھتی ہیں، امام بخاری اِس مجلس میں موجود تھے اِن کے دِل میں یہ بات جم گئی، چنانچہ چھ لاکھ حدیثوں کے ذخیرے میں سے اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیثوں کا انتخاب کر کے سولہ برس کی محنت شاقہ کے بعد اپنی اس جامع کتاب کو تصنیف فرمایا جو عام طور پر صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے اور صحاح ستہ کی سب سے بڑی اور عظیم الشان کتاب ہے، اس کتاب میں کل حدیثیں اگر مکرر و معلقات ومتابعات کو شامل کر کے شمار کی جائیں تو نو ہزار بیاسی حدیثیں ہیں اور اگر مکررات کو حذف کر کے گنتی کی جائے تو کل حدیثوں کی تعداد صرف دو ہزار سات سو اکسٹھ رہ جاتی ہے، (مقدمہ فتح الباری)

یہ تعداد اگرچہ امام بخاری کو جس قدر صحیح حدیثیں یاد تھیں ان کے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں ہیں لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ یہ کتاب امام موصوف کے حسن انتخاب کا بہترین نمونہ ہے، مگر یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ امام بخاری کو لاکھوں صحیح حدیثیں ایسی بھی یاد تھیں جو ان کی کتاب صحیح بخاری میں درج نہیں ہیں اور دوسرے محدثین کی کتابوں ہیں موجود۔

ہیں۔لٰہذا بعض کج فہم ملاؤں کا یہ کہنا کہ جو احادیث صحیح بخاری میں درج نہیں ہیں وہ صحیح احادیث نہیں ہیں، یہ ایک کھلا ہوا فریب اور پہاڑ سے بھی بڑی غلطی ہے۔

حافظ ابو جعفر عقیلی کہتے ہیں کہ امام بخاری نے جب اپنی صحیح بخاری تصنیف فرمائی تو اسے امام احمد بن حنبل وعلی بن مدینہ ویحیی بن معین وغیرہ کبار محدثین کی خدمت میں پیش کیا تو ان سب حضرات نے اس کتاب کے صحیح ہونے کی شہادت دی، البتہ صرف چار حدیثوں کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا مگر عقیلی کا بیان ہے کہ ان چاروں کے بارے میں بھی امام بخاری ہی کا فیصلہ درست ہے اور وہ چاروں حدیثیں بھی صحیح ہیں (مقدمہ فتح الباری)

اِس کتاب میں امام بخاری جب کسی حدیث کو لکھتے تو پہلے غسل کر کے دو رکعت نماز ادا کرتے اور مضامین احادیث کے عنوان کو (جس کو محدثین ترجمہ الباب کہتے ہیں) مدینہ منورہ میں قبر انور و منبر نبوی ﷺ کے درمیان بیٹھ کر مرتب فرماتے ہر ترجمۃ الباب پر بھی دو رکعت نماز نفل ادا کی، چنانچہ امام بخاری کے اس حسنِ نیت ہی کی برکت ہے کہ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کو نوے ہزار شاگردوں نے بلا واسطہ خود امام بخاری سے پڑھا اور سنا، اور آپ کے ان شاگردوں میں سب سے آخری شاگرد محمد بن یوسف فیربُری متوفی ۳۲۰ھ ہیں، انہوں نے امام بخاری سے دو مرتبہ اس کتاب کا سماع کیا ایک بار ۲۴۸ھ میں اپنے وطن فربر میں جب امام بخاری ہاں تشریف لائے اور دوسری بار ۲۵۲ھ میں خود بخارا جا کر اور آج کل ہندوستان بلکہ عرب وعجم میں ان کی ہی روایات علوِّ اسناد کی وجہ سے شائع و مشہور ہیں۔

آپ کے مصائب:

طریقہ صالحین کی طرح امام بخاری کو بھی امتحان و ابتلا پیش ایا، اور وہ یہ کہ امیر بخارا خالد بن احمد دہلی نے حکم دیا کہ آپ شاہی محل میں آ کر میرے فرزندوں کو صحیح بخاری اور دوسری کتابوں کا سبق پڑھائیں، امام بخاری نے جواب دیا کہ یہ علم حدیث ہے میں اس علم کو ذلیل نہیں کرنا چاہتا، آپ اپنے فرزندوں کو میری درسگاہ میں بھیج دیں دوسرے طالبُ علموں کی طرح وہ بھی علم حاصل کریں گے۔امیر نے کہا کہ جس وقت میرے شہزادے درسگاہ میں آئیں آپ دوسرے طلبہ کو اپنی درسگاہ میں نہ آنے دیں، میرے دربارن و چوبدار دروازے پر

کھڑے رہیں گے کیونکہ میری نخوت اس چیز کو گوارا نہیں کر سکتی کہ غریبوں اور مسکینوں کے لڑکے میرے فرزندوں کے برابر بیٹھیں، امام بخاری نے اس کو بھی قبول نہیں فرمایا، اور جواب دیا کہ یہ علم حضرت پیغمبر ﷺ کی میراث ہے، اس میں امیر وفقیر ساری امت برابر کی شریک ہے۔ اِس علم میں کسی کو کوئی خاص خصوصیت نہیں دی جاسکتی، اتنی بات پر امیر بخارا خفا ہو گیا اور اس نے حریث بن ابی الورقاء وغیرہ گمراہ علمائے ظواہر کو اپنے ساتھ ملالیا اور امام بخاری کے مذہب واجتہاد میں خوانخواہ کی غلطیاں نکال کر اور عوام کو بھڑکا کر ایک طوفان کھڑا کر دیا، اور اس دسیسہ کاری وحیلہ سازی سے امام بخاری کو بخارا سے نکال دیا۔

امام بخاری رنج وغم میں ڈوبے ہوئے اپنے وطن سے روانہ ہو گئے مگر چلتے وقت اپنے درد مند دِل سے یہ دُعا کی، الٰہی ان لوگوں کو تو اِس بلا میں مبتلا کر جس بلا میں یہ لوگ مجھے مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی دُعا مقبول ہو گئی اور ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ امیر بخارا خالد بن احمد ذہلی معزول کر دیا گیا اور خلیفہ کا حکم پہنچا کہ اس کو گدھے پر سوار کر کے شہر میں گشت کرائیں اور پھر شہر سے باہر نکال دیں اس طرح امیر بخارا خالد بن احمد ذہلی کو کامل تباہی وبربادی کا سامنا ہوا۔ اور ایک بے گناہ اللہ والے کی بے ادبی کی سزا دنیا ہی میں مل گئی۔

اِسی طرح حریث بن ابی الورقاء اور دوسرے دنیا دار مولویوں کو بھی جو امام بخاری کی توہین میں شریک تھے بے حد ذلت ورسوائی کا منھ دیکھنا پڑا ان سب لوگوں کا وقار خاک میں مل گیا اور سب کے سب طرح طرح کی آفتوں اور بلاؤں میں گرفتار ہوئے۔

امام بخاری بخارا سے نکل کر نہایت بے کسی کی حاجت میں پہلے نیشاپور گئے مگر وہاں کے متکبر امیر سے بھی آپ کی نہیں نبی تو مجبوراً وہاں سے لوٹ کر خرتنگ تشریف لائے اور اس چھوٹے سے گاؤں میں آپ نے قیام فرما کر وہیں درس حدیث شریف شروع کر دیا یہاں تک کہ اسی گاؤں میں آپ کی وفات ہو گئی اور خاص عید الفطر کے دن بعد نماز ظہر اسی گاؤں میں آپ مدفون ہوئے۔

منقول ہے کہ جب آپ دفن کیے گئے تو آپ کی قبر کی مٹی سے مشک کی خوشبو آنے لگی، چنانچہ لوگ انتہائی تعجب کے ساتھ قبر کی مٹی کو سونگھتے تھے اور اُٹھا کر لے جاتے تھے اور ایک مدت

دراز تک یہ سلسلہ جاری رہا کہ دور دور سے آ کر لوگ آپ کی قبر کی مٹی کو خوشبو کی وجہ سے اُٹھا لے جاتے تھے۔

شیخ عبدالواحد طوسی نے (جو اس زمانے کے اولیائے کاملین میں سے تھے) خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام اپنے اصحاب کے ساتھ راستے پر منتظر کھڑے ہیں انہوں نے سلام عرض کر کے پوچھا ''یارسول اللہ (ﷺ) آپ کس کا انتظار فرما رہے ہیں؟'' آپ نے جواب ارشاد فرمایا کہ ''میں محمد بن اسمٰعیل بخاری کا انتظار کر رہا ہوں۔''

شیخ عبدالواحد طوسی کا بیان ہے کہ اس خواب کے چند روز بعد ہی میں نے اِمام بخاری کی وفات کی خبر سُنی، جب میں نے لوگوں سے وَفات کا وقت پوچھا تو پتہ چلا کہ ٹھیک اِسی وقت اِسی گھڑی میں آپ کی وفات ہوئی تھی جس ساعت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو میں نے خواب میں منتظر دیکھا تھا، اِمام بخاری نہایت زاہد پرہیزگار اور صاحبِ تقویٰ وعبادت گزار تھے۔ عمر بھر کسی کی غیبت نہیں کی، اُمراء وسلاطین کی درباروں میں کبھی نہیں گئے، درس حدیث کے بعد فاضل اوقات میں کثرت نوافل وتلاوت قرآن مجید کا شغل رکھتے تھے۔

آپ کبھی نظم کا بھی شوق فرماتے تھے، چنانچہ آپ کا ایک قطعہ تبرکاً تحریر کیا جاتا ہے۔

اِغتنم فی الضرع فضل رکوع

فعسیٰ ان یکون موتک افتہ

''فرصت کے وقت میں ایک رکعت نماز کی فضیلت کو غنیمت جان کیونکہ شاید تیری موت اچانک آ جائے۔''

کم صحیح راء یت من غیر سقمٍ

ذہبت نفسہ الصحیۃ فلتۃ

''میں نے تو بہت سے تندرستوں کو دیکھا کہ بلا کسی مرض کے اِن کی تندرست جان اچانک چل بسی۔''

بہت سے محدثین وبزرگانِ دین نے بارہا تجربہ کیا ہے کہ آپ کی کتاب صحیح بخاری شریف کا ختم پڑھنا دشمنوں کے خوف مرض کی سختی اور دوسری بلاؤں میں تریاق کا کام دیتا ہے۔

بہت سے بزرگانِ دین کے خوابوں میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے صحیح بخاری کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ محمد بن احمد مروزی مکہ مکرمہ میں مقام ابراہیم و حجر اسود کے مابین سوئے تھے تو یہ خواب دیکھا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اے ابوزید تم شافعی کی کتاب کا درس کب تک دیتے رہو گے؟ تم ہماری کتاب کا درس کیوں نہیں دیتے: محمد بن احمد نے حیران ہو کر عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میری جان آپ پر قربان ہو، آپ کی کتاب کون سی ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ جامع محمد بن اسمعیل بخاری یعنی ① واضح ہو کہ صحیح بخاری کا پورا نام الجامع السندا الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وسننہ وایامہ ہے۔

مگر بعض لوگ بطورِ اختصار اس کو جامع محمد بن اسمعیل اور بعض لوگ الجامع الصحیح اور بعض لوگ صحیح البخاری اور اور ہمارے ہندوستان میں عام طور پر لوگ اس کو ''بخاری شریف'' کہتے ہیں۔ ②

حضرت امام مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ

آپ کی کنیت ابوالحسین و نام ونسب مسلم بن حجاج بن مسلم بن ورد بن کرشاد اور لقب عساکر الدین ہے، بنی قشیر قبیلہ کی طرف نسبت ہونے کی وجہ سے قشیری کہلاتے ہیں، نیشاپور کے رہنے والے ہیں جو خراسان کا بہت ہی خوبصورت و مردم خیز شہر ہے۔

۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے اور بعض نے کہا کہ ۲۰۴ھ میں اور بعض ۲۰۶ بیان کرتے ہیں۔

اور ابن اثیر نے جامع الاصول کے مقدمہ میں اسی آخری قول کو اختیار فرمایا ہے لیکن ان کی وفات پر سب کا اتفاق ہے کہ ۲۴ رجب ۲۶۱ھ میں ہوئی اور ۲۵ رجب دوشنبہ کے دن دفن کیے گئے۔

امام مسلم علم حدیث کے جلیل القدر اماموں میں شمار کیے جاتے ہیں، ابوحاتم وابوزرعہ جیسے اماموں نے ان کی امامت کی گواہی دی اور ان کو محدثین کا پیشوا تسلیم کیا ہے اور آئمہ حدیث مثلاً امام ترمذی وابوبکر بن خزیمہ وغیرہ نے آپ کی شاگردگی اختیار کی،

---

① صحیح بخاری شریف.

② بستان المحدثین و مقدمہ بخاری وغیرہ) بحوالہ اولیاء رجال الحدیث ص ۸۵ تا ۷۶.

صحیح مسلم:

امام مسلم کی بہت سی تصنیفات ہیں جن میں آپ کی تحقیق امعان نظر کا کمال نظر آتا ہے خاص کر آپ کی جامع صحیح مسلم جو صحاح ستہ میں داخل ہے اس میں فن حدیث کے عجائبات اور خاص کر لطائفِ اسناد و متونِ احادیث کے حسن سیاق کی ایسی ایسی بے مثال مثالیں ہیں جو بلا شبہ نوادرات کا درجہ رکھتی ہیں اور روایت میں آپ کی احتیاط کا تو یہ عالم ہے کہ اس میں کسی کو کلام کی گنجائش ہی نہیں آپ نے اپنی اس کتاب کا انتخاب تین لاکھ ایسی حدیثوں سے کیا ہے کہ جن کو خود اپنے مشائخ سے سنا تھا پھر صحیح حدیثوں کے انتخاب میں اپنی ذاتی تحقیقات ہی پر بھروسہ نہیں فرمایا بلکہ کمال احتیاط کے طور پر صرف انہیں احادیث کو اپنی اس کتاب میں درج فرمایا جن کی صحت پر تمام مشائخ وقت کا اتفاق تھا، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ

ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی اس کو میں نے یہاں درج نہیں کیا بلکہ میں نے تو اِس کتاب (صحیح مسلم) میں صرف اِن حدیثوں کو لکھا ہے کہ جن کے صحیح ہونے پر تمام شیوخ وقت کا اجماع ہے۔[1]

اِمام مسلم نے اِس پر بھی بس نہیں کیا، بلکہ کتاب مکمل ہونے کے بعد امام الحدیث ابوزرعہ رازی کو دکھایا جو اس زمانہ میں فن جرح و تعدیل کے اِمام مانے جاتے تھے، چنانچہ امام ابوزرعہ رازی نے جس حدیث میں کسی ادنیٰ علت کی طرف اِشارہ کیا امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی کتاب سے خارج کر دیا، اس طرح پندرہ سال کی محنت شاقہ کے بعد بارہ ہزار صحیح حدیثوں کا اایک ایسا منتخب مجموعہ تیار ہوا۔

جس کے بارے میں خود مصنف نے یہ دعویٰ فرمایا کہ:

"محدثین اگر دو سو سال تک بھی حدیثیں لکھتے رہیں گے جب بھی انکا دارو مدار اسی المسند الصحیح (صحیح مسلم) پر رہے گا۔"[2]

چنانچہ اس باخدا مرد مسلم کے کلام کا اثر جہانگیری اور کرامت تو دیکھو کہ دو سو برس تو کیا آج گیارہ سو برس سے بھی زیادہ گزر گئے مگر آج تک اس کتاب کی مقبولیت کا آفتاب غروب

---

[1] مقدمہ صحیح مسلم. [2] تذکرۃ الحفاظ.

نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ حافظ ابو علی نیشاپوری اور محدثین اہل مغرب کا یہی خیال ہے کہ روئے زمین پر ہوا صحیح مسلم سے بڑھ کر لاجواب و فصیح ترین کوئی کتاب نہیں، یہاں تک کہ یہ لوگ اس کو صحیح بخاری پر بھی فوقیت وترجیح دیتے ہیں چنانچہ ان لوگوں نے اپنے اس دعوے کی دلیل بھی بیان کی ہے کہ اِمام مسلم نے اپنے صحیح میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ صرف وہی حدیثیں ذکر کریں گے جن کو کم از کم دو ثقہ تابعین نے دو صحابیوں سے روایت کیا ہو، اور یہی شرط تمام طبقاتِ تابعین وتبعِ تابعین میں ملحوظ رکھی ہے یہاں تک کہ سند کا سلسلہ امام مسلم تک ختم ہو۔

پھر دوسری ایک بہت کڑی شرط امام مسلم نے یہ بھی لگائی ہے کہ دو راویوں کے اوصاف میں صرف عادل ہی ہونے پر بس نہیں فرماتے بلکہ شرائطِ شہادت کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔

اور امام بخاری کے نزدیک اتنے سخت شرائط اور اتنی زبردست پابندیاں نہیں ہیں پھر امام بخاری کی اکثر روایات محدثین شام سے بطریق مناولہ ہیں۔ (یعنی ان کی کتابوں سے لی گئی ہیں خود اِمام بخاری نے ان کے مصنفین کی زبان سے اِن حادیثوں کو نہیں سُنا ہے) اِسی لیے ان کے راویوں میں کبھی کبھی اشتباہ ہوجاتا ہے کہ ایک ہی راوی کہیں اپنی کنیت سے اور کہیں اپنے نام سے مذکور ہوجاتا ہے، اور اِمام بخاری اس کو دو شخص سمجھ لیتے ہیں مگر اِمام مسلم کو کبھی بھی یہ مغالطہ پیش نہیں آیا کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں ذکر کردہ تمام حدیثوں کو خود اپنے مشائخ سے سنا ہے۔[1]

بہر حال صحیح بخاری و صحیح مسلم کی افضلیت کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس پر مکمل بحث کی یہاں گنجائش نہیں ہے، طرفین کے دلائل صحیح بخاری شریف کی شروع میں مفصل مذکور ہیں جن کو اہلِ علم مطالعہ کر سکتے ہیں۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ امام بخاری کی کچھ ایسی دَھاک بیٹھی ہوئی ہے اہلِ علم حقیقت کو سمجھتے ہوئے بھی امام بخاری کے بارے زبان کھولتے ہوئے لرزہ براندام ہوجاتے ہیں لیکن پھر بھی اِتنی بات تو ہم جیسے کم علم طالب علم بھی عرض کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے کہ امام بخاری کے بلاضرورت تصرفات مثلاً حدیثوں کی تقدیم و تاخیر بے شمار تکرار، حذف واختصار وغیر مطابق ابواب، درمیان حدیث میں کہیں تفسیر کہیں نقل آیات کہیں متابعات کہیں

---

[1] بستان المحدثین.

نقل مذاہب کہیں اپنا اجتہاد۔ کہیں آئمہ فقہ پر تبصرہ کردینا، دلائل کی طرف غیر واضح اشارات وغیرہ صحیح بخاری شریف کے یہ وہ ہوش ربا مشکلات ہیں کہ جن سے فہم مطالب ہیں بعض جگہ اتنی سخت پریشانی اور اس قدر مشکل کا سامنا ہوجاتا ہے کہ بسااوقات معلم و متعلم دونوں کے لیے مشکلات کا سامان ہوجاتا ہے، اگر چہ اس میں شک نہیں کہ خود صحیح بخاری ہی کی دوسری سندوں اور حدیثوں کو دیکھ کر اشکال حل ہوجاتا ہے مگر بہرحال اس حقیقت کے اعتراف سے کسی کو چارہ نہیں کہ صحیح بخاری تعقیدات و معلقات فن حدیث کی ایک بکھری ہوئی دوکان ہے جس میں سامان کو چھان بین کر چھانٹ لینا کسی ماہر فن ہی کا کام ہے۔

مگر امام مسلم نے یہ پریشان کن طریقہ ہی اختیار نہیں فرمایا بلکہ لطائف تنوع اسناد کے لطف کے ساتھ ساتھ حدیثوں کو انتہائی تجرید کے ساتھ اس طرح موتی کی لڑیوں کے مانند مرتب فرما کر روایت فرمایا ہے کہ کہیں اشکال کا نام تک نہیں حدیث پڑھتے چلے جائیں آپ کے ذہن میں ان کے معانی موتیوں کی طرح چمکتے اور ستاروں کی طرح روشن ہوتے، وصحیح مسلم کی تفصیل کے معاملے میں فقیر راقم کو یمنی کو شافعی کا قطعہ بے حد پسند ہے۔

تنازع قو م فی البخار و مسلم

لدی وقالو ای ذین یقدم

''میرے سامنے ایک قوم نے بخاری و مسلم کے بارے میں جھگڑا کیا کہ ان دونوں میں سے کون بڑھ کر ہے۔''

فقلت لقد فاق البخاری صحةً

کما فاق فی حسن الصناعة

''تو میں نے کہہ دیا کہ صحت کے لحاظ سے بخاری کو فوقیت حاصل ہے جیسے کہ مسلم فن کی خوبیوں کے سے بڑھ چڑھ کر ہے۔''

امام مسلم اپنی علمی جلالت وفنی مہارت و امامت کے علاوہ اقلیم تقویٰ و عبادت کے بھی تاجدار تھے، تمام عمر کسی کی غیبت نہیں کی، نہ کسی کو گالی دی اِن کے علاوہ اپنی بہت سی خصائل حمیدہ ہی وہ اپنے ہمصروں میں ممتاز ہیں۔

ابوحاتم رازی نے جواس دور کے اکابر محدثین میں سے ہیں امام مسلم کو بعد خواب میں دیکھااوران کا حال دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ نے اپنی جنت کو میرے لیے مباح فرمادیا ہے میں جہاں چاہتا ہوں رہتا ہوں۔

ابوعلی زاغوانی کو وفات کے بعد کسی بزرگ نے خواب میں دیکھااور پوچھا کہ کس عمل خیر سے تمہاری نجات ہوئی ؟: توانہوں نے صحیح مسلم کی طرف اِشارہ کر کے فرمایا کہ اِن ہی ورقوں کی بدولت میری نجات ہوئی ہے۔

امام مسلم کی وفات کا سبب بھی بڑا عجیب وغریب ہے کہتے ہیں کہ ایک درس گاہ میں آپ سے کسی حدیث کے بارے میں سوال کیا گیااس وقت آپ اس کو نہ پہچان سکے، اپنے مکان پر تشریف لاکراپنی کتابوں میں اس حدیث کوتلاش کرنے لگے کھجوروں کا ایک ٹوکرا آپ کے قریب رکھا تھا آپ مطالعہ کی حالت میں ایک ایک کھجوراس میں سے کھاتے رہے اور حدیث کی فکروجستجو میں اس قدر مستغرق ہو گئے کہ حدیث کے ملنے تک تمام کھجوروں کوتناول فرما گئے اور آپ کوخبر نہیں ہوئی اس کے بعد آپ کو کچھ نہیں ہوئی اس کے بعد آپ کو دردِ شکم ہوا، اور یہی آپ کی وفات کا سبب بنا۔[1]

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ

آپ کی کنیت ابوعیسیٰ اور نام ونسب محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمٰی بوغی ہے بوغ ایک گاؤں کا نام ہے جو شہر ترمذ سے چھ کوس کے فاصلے پر ہے اِس گاؤں کی طرف نسبت ہونے سے آپ بوغی بھی کہلاتے ہیں، آپ اِسی گاؤں میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے امام ترمذی امام بخاری کے سب سے مشہور شاگرد وجانشین شمار کیے جاتے ہیں اوران کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ خود امام بخاری نے بعض حدیثوں میں ان کی شاگردی اختیار فرمائی ہے۔

امام مسلم وامام ابوداؤد سے بھی آپ کوتلمذ حاصل ہے اوران دونوں کے شیوخ سے بھی آپ نے روایت فرمائی ہے۔

---

[1] بستان المحدثین وغیرہ کتب معتبرہ بحوالہ اولیاء رجال الحدیث ص ۲۳۹، ۲۴۳.

آپ نے علم حدیث سیکھنے کے لیے مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ و بصرہ و کوفہ و واسطہ والے خراسان و بغداد وغیرہ کے علمی مرکزوں کے سفر و اقامت میں بہت سال گزار دیئے۔

آپ کا حافظہ بے حد قوی تھا، مشہور حکایت ہے کہ ایک شیخ کی احادیث کے دو جزو آپ نے نقل کیے تھے مگر اب تک ان کو پڑھ کر سُنانے کا موقع نہیں ملا تھا، مکہ مکرمہ کے راستے میں اتفاقاً شیخ سے ملاقات ہوگئی امام ترمذی نے ان احزاء کی قرات کی درخواست پیش کی، شیخ نے منظور فرمالی اور فرمایا کہ تم ان ورقوں کو اپنے ہاتھ میں لے لو، میں پڑھتا ہوں اور تم مقابلہ کرتے جاؤ، امام ترمذی نے ان ورقوں کو تلاش کیا تو وہ دستیاب نہیں ہوئے فوراً سادے کاغذ کے چند ورق ہاتھ میں لے کر فرضی طور پر سننے ہیں مشغول ہوگئے اور شیخ قرات فرمانے لگے اتفاقاً شیخ کی نظر سادے کاغذوں پر پڑگئی، تو شیخ کو بڑا غصہ آیا اور فرمایا کہ تم میرا مذاق بناتے ہو؟ امام ترمذی نے لکھے ہوئے ورقوں کے گم ہونے کا واقعہ صاف صاف عرض کر دیا اور کہا کہ وہ اوراق اگرچہ میرے ساتھ نہیں ہیں مگر مجھے لکھے ہوئے سے بھی زیادہ یاد ہیں، شیخ نے فرمایا اچھا ذرا پڑھ کر تو سناؤ، امام ترمذی نے ساری حدیثوں کو فرفر سنا دیا، شیخ نے انتہائی تعجب کر کے فرمایا کہ مجھے یقین نہیں آتا کہ تم نے مجھ سے صرف ایک بار سن کر سب حدیثوں کو یاد کرلیا ہوگا، امام ترمذی نے عرض کیا کہ اچھا اب امتحان کر لیجئے۔

چنانچہ شیخ نے خاص اپنی روایتوں میں سے چالیس حدیثیں پڑھیں، امام ترمذی نے سن کر فوراً ہی ان چالیس حدیثوں کو لفظ بہ لفظ پڑھ کر سنا دیا اور کہیں ایک جگہ بھی کوئی غلطی نہیں ہوئی شیخ نے امام ترمذی کی قوتِ حافظہ پر انتہائی حیرت و تعجب فرماتے ہوئے ان کے حفظ و یادداشت کی بے حد تحسین فرمائی۔

جامع ترمذی:

امام ترمذی کی علم حدیث میں بہت سی تصنیفات ہیں مگر ان کی جامع ترمذی بے حد مشہور و مقبول کتاب ہے جو صحاح ستہ میں داخل ہے یہ کتاب امام بخاری و امام ابوداؤد دونوں کے طریقوں کی جامع ہے ایک طرف تو انہوں نے احادیث احکام میں سے صرف ان حدیثوں کو لیا ہے کہ جن پر فقہائے کرام کا عمل ہے، دوسری طرف امام بخاری کی طرح سب ابواب کی

حدیثوں کو لے کر اپنی کتاب کو جامع بنادیا ہے پھر مزید براں علوم حدیث کے دوسرے شعبوں کو بھی اس کتاب میں شامل کر کے اس کو اس قدر کثیر المنافع بنادیا ہے کہ مجموعی حیثیت سے اس کو صحاح ستہ کی تمام کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔

حافظ ابن رُشید نے اِن فنونِ حدیث کی جو اس کتاب میں مذکور ہیں حسبِ ذیل تفصیل بیان فرمائی ہے۔

(۱) ترتیب ابواب (۲) فقہ حدیث کا بیان (۳) علل احادیث و بیان صحیح وضعیف (۴) راویوں کے ناموں اور کنیتوں کا بیان (۵) جرح وتعدیل (۶) جن سے حدیث نقل کی ہے ان کے متعلق یہ تصریح کہ ان میں سے کن کن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرف ملاقات حاصل کیا اور کس نے نہیں (۷) راویانِ حدیث کا شمار، اور حافظ ابوالفتح نے فرمایا کہ منجملہ ان علوم کے جو امام ترمذی کی کتاب میں موجود ہیں اور جن کو ابن رشید نے ذکر نہیں کیا ہے یہ ہیں۔(۸) بیان شذوذ (۹) بیان موقوف (۱۰) بیان مدرج اور حافظ ابوبکر بن العربی) فرمایا کہ علم حدیث کے شعبوں میں سے چودہ فنون امام ترمذی کی جامع میں موجود ہیں۔[1]

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ جب میں اپنی اس جامع کی تالیف سے فارغ ہوا تو سب سے پہلے میں نے اس کو علماء حجاز کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کو بے حد پسند فرمایا، پھر علماء عراق کی خدمت میں لے گیا تو انہوں نے بھی یک زبان ہو کر اس کی مدح سرائی فرمائی پھر علمائے خراسان کے روبرو پیش کیا تو انہوں نے بھی اپنی رضامندی ظاہر فرمائی، اس کے بعد میں نے اس کتاب کے نشر واشاعت کی کوشش کی۔

امام ترمذی زُہد وتقویٰ اور عبادت و رِیاضت میں بھی اپنے دور کے بےمثال عابد زاہد تھے اور خوفِ خدا اِس دَرجہ رکھتے تھے کہ اس سے زیادہ ان کے لیے ممکن نہیں تھا۔ شب بیداری اور خوفِ الٰہی سے اِس قدر گریہ وزاری فرماتے کہ روتے روتے آپ کی آنکھوں میں پہلے آشوب چشم ہوا، پھر بینائی جاتی رہی۔ ۱۷ رجب شب دوشنبہ ۲۷۹ھ میں آپ نے وفات پائی، اور خاص ترمذ شہر میں مدفون ہوئے۔[2]

---

[1] عارضة الاحوذی و مجموعه شروح اربعة ترمذی.

[2] بستان المحدثین و اکمال وغیره بحواله اولیاء رجال الحدیث ص ۸۵ تا ۸۸.

حضرت ابوداؤد سجستانی رحمہ اللہ

(صاحبِ السنن)

آپ کا نام ونسب سلیمان بن اشعث بن شداد بن عمرو ہے، ۲۰۲ھ میں آپ کی ولادت مقام بصرہ ہوئی اور ۱۴ شوال ۲۷۵ھ کو بصرہ ہی میں آپ کا وصال ہوا، آپ کا وطن بصرہ تھا، مگر بار بار آپ نے بغداد میں اقامت فرمائی اور مدتوں بغداد میں رہے۔

آپ نے علمِ حدیث کی طلب میں حجاز، عراق، شام، خراسان، جزیرہ وغیرہ کا سفر فرمایا اور ہزاروں محدثین سے حدیث کی سماعت فرمائی اور عمر بھر حدیث کے درس وتدریس میں مشغول رہے، اسی لیے آپ کے استادوں اور شاگردوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ شمار انتہائی دشوار ہے۔

آپ نے اپنی کتاب سنن ابوداؤد بغداد میں تصنیف فرما کر امام احمد ابن حنبل کی خدمت میں پیش فرمائی تو امام ممدوح نے اس کو ایک بہترین کتاب قرار دیا اور بہت ہی تحسین فرمائی اور ابن اعرابی نے تو سنن ابوداؤد کو دیکھ کر یہاں تک کہہ دیا کہ اگر کسی کے پاس قرآن مجید کے سوا دوسری کوئی کتاب نہ ہو اور اس کو سنن ابوداؤد مل جائے تو بس یہی دونوں کتابیں اس کے لیے کافی ہیں اور اس کو مزید کسی دوسری کتاب کی حاجت نہیں پڑے گی۔

پانچ لاکھ حدیثوں میں سے منتخب کر کے چار ہزار آٹھ سو احادیث آپ نے اپنی کتاب سنن ابوداؤد میں جمع فرمائی ہیں۔

فنِ حدیث میں شانِ کمالی کے ساتھ آپ کے خصائص میں سے یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ آپ اپنے دور کے بعض محدثین کی طرح آئمہ فقہ کے مخالف نہیں تھے بلکہ فقہا کی مساعی جمیلہ کو بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور فقہیہ کے اماموں کا بڑے ادب واحترام کے ساتھ تذکرہ فرماتے تھے چنانچہ ابن عبدالبر قرطبی ناقل ہیں کہ ابوداؤد اکثر یوں فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہ پر اپنی رحمت نازل فرمائے وہ امام تھے اللہ تعالیٰ امام مالک پر اپنی رحمت نازل فرمائے وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ امام شافعی پر رحمت نازل فرمائے وہ امام تھے صحاح

ستہ کے مصنفین میں آپ کی یہ بھی ایک خاص خصوصیت ہے کہ آپ پر فقہی ذوق کا غلبہ تھا یہی وجہ ہے کہ سنن ابوداؤد میں فقہی حدیثوں کا جتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے وہ صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں نہیں ملے گا۔

ابراہیم حربی جو آپ کے زمانے میں قابلِ اعتماد محدث شمار کیے جاتے تھے انہوں نے جب سنن ابواؤد کا مطالعہ کیا تو فرمایا کہ ابوداؤد کے لیے علم حدیث کو اللہ تعالیٰ نے ایسا نرم کر دیا ہے جیسا حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم فرما دیا تھا۔ آپ ایک جلیل القدر محدث و عظیم المرتبہ مصنف ہونے کے علاوہ صلاح وتقویٰ و اعمال صالح اور عبادت و ریاضت کے اعتبار سے بھی یکتائے روزگار ہیں، موسیٰ بن ہارون محدث جو آپ کے معاصر (ہم زمانہ) تھے علانیہ فرمایا کرتے تھے کہ ابوداؤد دُنیا میں حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔

بغداد کے اولیائے کرام آپ کا بے حد احترام فرماتے تھے، چنانچہ منقول ہے کہ بغداد کے ایک صاحب کرامت مشہور ولی سہل بن عبداللہ تستری ایک دِن ابوداؤد کی ملاقات کے لیے آئے اور فرمایا کہ اے ابوداؤد آپ اپنی زبان باہر نکالیے میں آپ کی زبان کا بوسہ لوں گا، کیونکہ آپ اس زبان سے حضور اکرم ﷺ کی حدیثیں بیان فرماتے ہیں، چنانچہ ان کے اِصرار سے مجبور ہو کر ابوداؤد نے اپنی زبان باہر نکالی اور سہل بن عبداللہ تستری نے نہایت گرم جوشی اور پیار کے ساتھ ابوداؤد کی زبان چوم لی۔ ابوداؤد کے مذہب میں مورخین کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ شافعی تھے اور بعض کا قول ہے کہ حنبلی تھے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

حضرت امام نسائی رحمہ اللہ

امام قاضی حافظ ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی نسائی ۲۱۴ھ میں خراسان کے شہر نساء میں پیدا ہوئے اور تحصیل علم کے بعد مصر میں مقیم ہو گئے، جلیل القدر محدث اور بلند پایہ مصنف بھی ہیں، آپ کی کتاب سنن نسائی صحاح ستہ میں داخل ہے۔

---

[1] بستان المحدثین و تاریخ ابن ماجه وغیره بحواله اولیاء دجال الحدیث ص ٦٤ تا ٦٦.

آپ شافعی المذہب تھے اور علم حدیث میں قتیبہ بن سعید وہنّاد بن سری ومحمد بن بشار و محمود بن غیلان وامام ابوداؤ دوسلیمان بن اشعث وغیرہ محدثین کرام کے شاگرد ہیں اور آپ کے شاگردوں کی فہرست بھی بہت طویل ہے جن میں ابوالقاسم طبرانی وابوجعفر طحاوی وابوبکر حداد فقیہ وابواحمد بن اسحاق سبی وابوالقاسم حمزہ بن محمد علی کِنانی وغیرہ انتہائی مشہور ومعرفتِ فقہاو محدثین ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی نے آپ کے اساتذہ وتلامذہ کے بارے میں فرمایالا یحصون یعنی ان لوگوں کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

حاکم نیشاپوری نے فرمایا کہ فقہ حدیث میں امام نسائی کا مقام بہت ہی بلند ہے، علی بن عمر کا بیان ہے کہ آپ اپنے زمانے میں مصر کے تمام فقہاء ومحدث ہیں افضل سے اور نقد حدیث و معرفت رجال میں بے مثال تھے۔

درس حدیث وفتاویٰ وتصنیف کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے عبادت گزار اور متقی و پرہیزگار بھی تھے، تمام عمر صوم داؤدی کے پابند رہے یعنی ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ دن رات عبادت کرتے اور ہر سال حج اور جہاد کے لیے بھی جاتے۔

امراء وسلاطین کے درباروں سے سخت متنفر اور ان کی ملاقاتوں سے ہمیشہ پرہیز کرتے رہے اور عوام وخواص کے دیندار طبقے میں بے حد مقبول وخلائق تھے آپ کی اسی مقبولیت کو دیکھ کر بعض علماء مصر آپ کے حاسد ہو گئے تھے چنانچہ جب آپ دمشق تشریف لے گئے تو وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کی تعداد بہت زیادہ تھی آپ نے ان لوگوں کی ہدایت کے لیے کتاب الخصائص اور کتاب فضائل الصحابۃ تصنیف فرمائی تو ان کتابوں کو رملہ میں عوام کو سنا رہے تھے کہ مصر کے حاسد علماء نے آپ سے سوال کر دیا کہ آپ حضرت امیر معاویہ کے فضائل سنایئے تو آپ نے جواب دیا ان کے فضائل کیا ہیں جو میں سناؤں اس پر مصر کے حاسد علماء نے آپ کے خلاف شیعہ ہونے کا زبردست پروپگینڈہ کیا، یہاں تک کہ جامع مسجد میں لوگوں نے آپ کو بہت زیادہ مارا اور مصر سے آپ کو نکال دیا، اور آپ زخمی ہو کر واپس چلے آئے جہاں ۱۳ صفر ۳۰۳ھ میں آپ کو شہادت نصیب ہوئی اور صفاء مروہ کے درمیان مدفون ہوئے مگر ابن یونس کا قول ہے کہ آپ کی وفات تیرہ ۱۳ صفر ۳۰۳ کو فلسطین میں ہوئی، پھر وہاں سے آپ کی نعش مبارک مکہ مکرمہ پہنچائی گئی، واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

---

① اکمال وتهذیب التهذیب وبستان المحدثین .بحواله اولیاء رجال الحدیث ص ۲٤۷ تا ۲٤۸.

حضرت ابنِ ماجہ رحمہ اللہ

(صاحبِ السنن)

ابوعبداللہ کنیت، محمد بن یزید نام ربعی قزوینی نسبت ہے اور عام طور پر ابن ماجہ کے عرف کے ساتھ مشہور ہیں اور صحیح قول یہی ہیں کہ ماجہ آپ کی والدہ کا نام ہے حدیث کے چھ اماموں میں آپ کا شمار ہے اور صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ آپ ہی کی تصنیف ہے ۳۰۹ میں آپ کی ولادت ہوئی، قزوین کے رہنے والے ہیں جو ایران کے صوبہ آذربائیجان کا ایک بہت ہی مشہور مردم خیز شہر ہے، آپ نے علمِ حدیث کی طلب میں بڑی جدوجہد فرمائی اور اس سلسلے میں حجاز و عراق شام وخراسان اور مصر وغیرہ کا علمی سفر فرمایا اور خاص کر بصرہ کوفہ اور بغداد وحرمین شریفین ودمشق کے شہروں میں مقیم رہ کر تقریباً تین سودس شیوخ سے احادیث کی روایت فرمائی۔

آپ کی امامت فن وجلالتِ شان اور اعلیٰ حفظ واتقان کے تمام علمائے محدثین معترف و مداح ہیں محدث خلیلی وعلامہ ابن جوزی وحافظ ذہبی وابن خلکان وغیرہ نے آپ کو ثقہ حافظ کبیر امام صاحب اتقان کبیر الشان عارف علوم حدیث وغیرہ تحریر کیا ہے۔

آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے جس کا ذکر بموجب طوالت ہے آپ کے عام حالات زندگی کے بارے میں تمام تذکرہ نویسیوں نے بہت ہی کم معلومات بہم پہنچائی ہے، تاہم اس قدر ظاہر ہے کہ علم حدیث کی طلب میں آپ نے جس قدر طویل سفر کیے پھر وطن میں آ کر جس طرح درس وتصنیف کا مشغلہ رہا اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ساری زندگی علم حدیث کی تحقیق واشاعت ہی میں بسر ہوئی۔ آپ کی تصانیف میں تفسیر وتاریخ وسنن قابل ذکر میں جن میں سنن ابن ماجہ تو بہت ہی مشہور ہے۔

سنن ابن ماجہ:

امام ممدوح نے لاکھوں حدیثوں کے ذخیرے میں سے انتخاب کر کے چار ہزار روایات کو مختلف ابواب کے تحت پوری مناسبت کے ساتھ اس کتاب میں درج فرمایا ہے، حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں فرمایا کہ سنن ابن ماجہ میں بتیس کتابیں پندرہ سو ابواب اور چار

ہزار حدیثیں ہیں جو تھوڑی سی روایات کے علاوہ سب عمدہ ہیں۔

قدمائے محدثین سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں داخل کرنا پسند نہیں کرتے تھے، مگر عام متاخرین کا یہی فیصلہ ہے کہ یہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ہے۔

چنانچہ حافظ عبدالقادر قریشی نے الجواہر المضیئہ کی کتاب الجامع میں فرمایا کہ جب محدثین کسی حدیث کے بارے میں رواہ الشیخان یا رواہ الامامان کہیں تو اسے امام بخاری و مسلم مراد ہوتے ہیں اور جب رواہ الائمۃ الستۃ کہیں تو اس سے امام بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ مراد ہوتے ہیں اور جب رواہ الخمسہ فرمائیں تو امام بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابوداؤد مراد ہوتے ہیں۔

بہر حال اس میں شک نہیں کہ سنن ابن ماجہ صحاح ستہ میں داخل ہے بلکہ سچ پوچھئے تو سنن ابن ماجہ دو حیثیتوں سے تمام صحاح ستہ میں ممتاز ہے ایک حسن ترتیب یعنی جس خوبی و عمدگی کے ساتھ احادیث کو باب کے مناسب بغیر تکرار کے اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے، صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں یہ خوبی ناپید ہے اور اِسی خوبی کو دیکھ کر حافظ ابوزرعہ نے سنن ابن ماجہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو اکثر جوامع وغیرہ حدیث کی کتابیں بیکار و معطل ہو کر رہ جائیں گی۔

دوسری نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اِس کتاب میں بہت سی اِیسی حدیثیں بھی ہیں جو صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ہیں اس بنا پر ظاہر ہے کہ اس کی اَفادیت دوسری کتب سے بڑھ کر ہے۔

مگر باوجود ان خوبیوں کے چونکہ سنن ابن ماجہ میں صحاح ستہ کی باقی پانچ کتابوں کی نسبت ضعیف حدیثیں زیادہ ہیں، اس لیے اس کا درجہ صحاح ستہ کی کتابوں میں سب سے کمتر ہے۔

۲۱ رمضان بروز دوشنبہ ۲۷۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی محمد بن علی قہرمان اور ابراہیم بن دینار ورّاق دو بزرگوں نے آپ کو غسل دیا اور آپ کے بھائی ابوبکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے دونوں برادران ابوبکر و عبداللہ اور آپ کے فرزند عبداللہ نے آپ کو قبر میں اتارا۔

آپ کی وفات پر محدثین و عوام میں تہلکہ مچ گیا بہت سے شعراء نے آپ کا مرثیہ لکھا اور

محمد بن الاسود قزدینی نے تو آپ کا ایسا پر درد مرثیہ لکھا جس کو پڑھ کر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں نمونے کے طور پر دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

لقد او ھی دعا ھم عرش علِم

وضعضع رکنه فقد ابن ماجه

''یقیناً ابن ماجہ کی موت نے سر پر علم کے ستونوں کو توڑ ڈالا اور اس کے پایوں کو منہدم کر کے رکھ دیا ہے۔''

وَخاب رجاء ملھوفٍ کیب

یداویه من الدّاء ابن ماجه

''اور اس دردمند مغموم کی آس ٹوٹ گئی جس کی ابن ماجہ چارہ سازی کیا کرتے تھے۔''[1]

حضرت امام مالک رحمہ اللہ

آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور نام ونسب مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی اور لقب امام دار الہجرہ اور وطن مدینہ منورہ ہے، ۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں وفات پائی اور مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئے،

کسی بزرگ نے آپ کی پیدائش ووفات کی تاریخ کو اس قطعہ میں نظم کیا ہے،

فخر الائمة مالک

فغم الامام السالک

مولده نجم هدی ۹۳

وفاته فازمالک ۱۷۹

لفظ نجم سے تاریخ پیدائش اور فاز مالک سے تاریخ وصال ظاہر ہوتی ہے نو سو مشائخ سے علم حدیث پڑھا جن میں سے تین سو تابعین تھے اور آپ کے بے شمار شاگردوں میں سے

① تاریخ ابن ماجه بحواله اولیاء رجال الحدیث ص ٦٠ تا ٦٣

حضرت امام شافعی جیسے امام الحدیث وصاحبِ مذہب مجتہد بھی ہیں جو علم وفضل میں آپ ہی کے ہم پلہ ہیں ان کے علاوہ معین بن عیسیٰ وعبداللہ بن مسلمہ قعنبی وعبداللہ بن وہب وغیرہ بھی آپ ہی کے شاگردوں میں ہیں جو امام بخاری وامام مسلم وامام ابوداؤد وامام ترمذی وامام احمد بن حنبل وغیرہ کے استادہ ومشائخ حدیث ہیں آپ کو علم طلب کرنے کی خواہش بلکہ حرص بہت زیادہ تھی حالانکہ زمانہ طالب علمی میں مفلسی کا یہ عالم تھا کہ مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیوں کو بیچ کر کتابیں وغیرہ خریدتے تھے مگر اس کے بعد آپ پر دولت کا دروازہ کھل گیا اور کثرت سے بڑی بڑی فتوحات شروع ہو گئی۔

آپ درسِ حدیث کا بڑا اہتمام واحترام فرماتے تھے غسل کر کے باوضو بہترین پوشاک پہن کر خوشبو لگا کر ایک چوکی پر نہایت عجز وانکسار کے ساتھ بیٹھتے ،اور جب تک حدیث کا درس رہتا عود ولوبان کی انگیٹھی جلتی رہتی اور حدیث کے دوران کمالِ اُدب کی وجہ سے پہلو نہیں بدلتے تھے، بلکہ جس حالت نشست کے ساتھ اوّل بیٹھتے آخر تک اسی ہیئت وحالت پر بیٹھے رہتے۔ ایک مرتبہ درس حدیث کے دوران آپ کے پیرہن میں بچھو گھس گیا چند مرتبہ آپ کو ڈنک مارا اور آپ کے چہرے کا رنگ بدلتا رہا مگر آپ نے درس وحدیث کی وجہ سے نہ سبق بند کیا نہ پہلو بدلا۔

مدینۃ الرسول کے احترام کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے مگر زمانہ بیماری کے سوا بھی شہر کے اندر قضائے حاجت نہیں فرمائی، بلکہ حرم کے باہر جنگلوں اور میدانوں میں رفع حاجت کے لیے تشریف لے جاتے۔ بادشاہوں نے تحائف میں بہترین گھوڑے آپ کو نذر کیے مگر آپ حرم مدینہ میں کبھی گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے اور یہی فرماتے رہے کہ مجھے بڑی شرم آتی ہے کہ میں اس زمین کو اپنے چوپایہ کے پاؤں سے کس طرح روندوانا گوارا کروں جس زمین کے چپے چپے کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا ہو۔

ابوعبداللہ نامی ایک بزرگ سے منقول ہے کہ میں خواب میں حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوا اور میں نے دیکھا کہ آپ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور آپ کے سامنے مشک رکھا ہوا ہے اور آپ مٹھی بھر بھر کر امام مالک کو عطا فرماتے ہیں اور امام مالک

تمام حاضرین پر وہ مشک چھڑکتے ہیں، اس خواب کی تعبیر میرے دل میں یہی آئی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مقدس حدیثیں بارگاہِ نبوت سے امام مالک کو عطا ہوئیں، اور پھر آپ کے ذریعے ساری اُمت کو یہ حدیثیں پہنچ رہی ہیں۔

حضرت سفیان ثوری جن کی علمی جلالت وشہرت محتاج تعارف نہیں ایک دن امام مالک کی مجلس میں تشریف لائے تو مجلس کی عظمت اور انوار و برکات کی کثرت کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے اور امام مالک کی شان میں مدح کا یہ قطعہ نظم فرمایا۔

یَابَی الجواب فلا یراجع ھیبةً

وَالسائلون نواکس الاذقان

''اگر وہ (امام مالک) جواب نہ دیں تو آپ کی ہیبت سے دوبارہ کوئی سوال نہ کر سکے اور سب سائل سر جھکائے بیٹھے رہیں۔''

اَدَبَ الوقار وعز سلطان التقٰی

فھوا لمطاع ولیس ذا سلطان

''وقار آپ کا ادب کرتا ہے اور تقویٰ کی بادشاہی آپ کی عزت کرتی ہے، ساری دُنیا آپ کی اِطاعت کرتی ہے حالانکہ آپ کوئی بادشاہ نہیں ہیں۔''

خلیفہ ہارون رشید آپ کی بے حد تعظیم کرتا تھا، مدینہ منورہ حاضر ہوا تو بہت گراں قدر نذرانہ آپ کی خدمت میں پیش کیا اور آپ کو بغداد لے جانے کی انتہائی کوشش کی مگر آپ نے صاف انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے مدینۃ الرسول کی جدائی کسی قیمت پر بھی گوارا نہیں ہے۔

درسِ حدیث کے بعد تلاوت قرآن مجید آپ کا بہترین شغل تھا اور کئی بار کلام اللہ ختم کیا کہ شمار نہیں ہو سکا، آپ بہت ہی صاحبِ کرامت بھی تھے، مدینہ منورہ میں ایک پارسا عورت کا انتقال ہوا، غسل دینے والی عورت نے اپنی کسی دُشمنی کی وجہ سے اس پارسا و صالح عورت کی شرم گاہ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہا کہ یہ فرج کس قدر زنا کار تھی۔ فوراً ہی غسل دینے والی عورت کا ہاتھ شرمگاہ سے ایسا چمٹ گیا کہ ہزاروں کوشش کے باوجود ہاتھ شرمگاہ سے جدا نہیں ہوا، تمام علماء مدینہ اس کا سبب اور تدبیر معلوم کرنے سے عاجز رہے لیکن امام مالک نے اپنے کشف و

کرامت سے معلوم کرلیا اور فرمایا کہ اِس غسل دینے والی عورت کو حدقذف (وہ سزا جو شریعت نے زِنا کی تہمت لگانے والے کے لیے مقرر کی ہے) لگائی جائے، چنانچہ آپ کے اِرشاد کے مطابق جب اِس کو اَسّی (۸۰) کوڑے لگائے گئے تو خود بخود اس کا ہاتھ شرمگاہ سے جدا ہوگیا اور سب کے دِلوں میں امام مالک کی اِمامت وکرامت کا نور جگمگانے لگا۔

آپ کی تصنیف کردہ کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور کتاب موطا امام مالک ہے، جس کو تقریباً ایک ہزار محدثین نے آپ کی زبان مبارک سے سن کر تحریر کیا ہے، یوں تو موطا کے سولہ نسخے پائے جاتے ہیں مگر سب سے زیادہ مشہور ورائج یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی کا نسخہ ہے۔

یہی یحییٰ بن یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ امام مالک کی وفات کے وقت آخری ملاقات کے لیے ایک سو تیس فقہا ومحدثین حاضر تھے اور سب اسی انتظار میں کھڑے تھے کہ شاید اِس آخری وقت میں اِمام کی کوئی نظر کرم مجھ پر پڑ جائے اور میری دُنیا وآخرت سُدھر جائے، اِس حالت میں امام مالک نے آنکھیں کھولیں، اور یحییٰ بن یحییٰ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ الحمد للہ الذی اضحک وابکی وامات واحیٰی یعنی اس خدائے عزوجل کے لیے حمد ہے جس نے ہمیں کبھی خوشی دے کر ہنسایا اور کبھی غم دکھلا کر رُلایا، ہم اسی کے حکم سے زندہ رہے اور اسی کے حکم پر جان قربان کرتے ہیں، اس کے بعد فرمایا کہ اب موت سر پر کھڑی ہے اور خداوند تعالیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اے امام اِس وقت آپ کا کیا حال ہے؟ ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ میں اولیاء اللہ کی صحبت کی وجہ سے بہت خوش ہوں اور میں اہلِ علم ہی کو اولیاء سمجھتا ہوں۔ یاد رکھو حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد اللہ تعالیٰ کو علماء سے زیادہ عزیز کوئی مخلوق نہیں ہے، علماء انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے وارث ہیں، اور میں بے حد مسرو وخوش دل ہوں کہ میری تمام عمر علم دین کی تحصیل وتعلیم میں بسر ہوگئی سُن لو میں کسی مسلمان کو شریعت کا ایک مسئلہ بتا کر اس کے اَعمال کی اِصلاح کر دینا یا کسی عالم سے ایک مسئلہ پوچھ کر اپنے اعمال کی اِصلاح کر لینا ایک سو حج نفل وجہاد سے بہتر سمجھتا ہوں، اس کے بعد آپ کی آواز دھیمی پڑ گئی اور پھر چند منٹ کے بعد آپ کا وصال ہوگیا۔[1]

---

① اکمال وطبقات وبستان المحدثین، اولیاء رجال الحدیث ص ۲۲۶، ۲۳۰۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ

مشہور امام فقہ و حدیث صاحبِ مذہب حضرت امام شافعی کی کنیت ابو عبداللہ اور نام و نسب محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع ہے اور لقب امام شافعی ہے جو آپ کے مورث اعلیٰ کی طرف نسبت ہے۔

آپ ۱۵۰ھ میں فلسطین کے قریب شہر غزہ میں تولد ہوئے اور بعض کا قول ہے کہ آپ خاص اسی دن پیدا ہوئے جس دن حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

جب آپ شکمِ مادر میں تھے تو آپ کی والدہ نے یہ خواب دیکھا کہ میرے شکم سے ستارۂ مشتری نکل کر فضا میں بکھر گیا اور اس کے ٹکڑے چاروں طرف پھیل گئے، معتبرین نے اس خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ تمہارے شکم سے ایک ایسا فرزند پیدا ہوگا جس کے علم سے اطراف عالم میں اُجالا ہو جائے گا۔ دو برس کی عمر تھی کہ آپ اپنی والدہ کے ساتھ شہر غزہ سے مکہ مکرمہ آئے اور آغوش مادر میں نہایت مفلسی کی حالت میں پرورش پائی۔

بچپن ہی میں آپ نے خود یہ خواب دیکھا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے نماز پڑھائی اور آپ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پیچھے نماز پڑھی پھر قریب بلا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک ترازو اپنی آستین میں سے نکال کر عطا فرمائی مکہ مکرمہ کے ایک معتبر نے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ آپ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سنتوں کی سچی پیروی کرنے والے اور علم حدیث و آثار سنت کے امام ہوں گے اور آپ کا علم و عمل حق و باطل کی پہچان کا ایک معیار و میزان ہوگا۔

ایک مرتبہ آپ نے یہ بھی خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن آپ کے منہ میں ڈالا اور فرمایا کہ جاؤ خداوند تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔

سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں آپ نے سفیان بن عینیہ و مسلم بن خالد زنجی کی خدمت میں فقہ و حدیث کی تعلیم حاصل فرمائی پھر تیرہ برس کی عمر میں مدینہ منورہ کا سفر فرمایا، اور امام مالک رحمہ اللہ کی شاگردی کا شرف حاصل فرمایا امام مالک نے آپ کی صورت دیکھتے ہی اپنی باطنی فراست سے معلوم کر لیا کہ یہ ستارہ کسی دن آفتاب بن کر چمکنے والا ہے چنانچہ امام ممدوح نے

بڑی شفقت کے ساتھ یہ نصیحت فرمائی کہ صاحبزادے تم تقویٰ کی زندگی اختیار کرو، عنقریب تمہاری ایک شان ہونے والی ہے۔

پھر جب آپ کے چچا یمن کے قاضی ہوئے تو آپ بھی یمن چلے گئے جہاں آپ کے علم وفضل کی بے حد شہرت ہوئی پھر عراق کا سفر فرمایا اور شیوخ بغداد وغیرہ خصوصاً امام محمد بن الحسن شیبانی نے آپ کی والدہ سے نکاح فرمالیا تھا اس لیے وہ آپ پر بے حد شفیق تھے چنانچہ حضرت امام شافعی خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ فقہ میں مجھ پر سب سے بڑا احسان امام محمد کا ہے۔

آپ آخری عمر میں بغداد سے مصر تشریف لے گئے اور وہاں شبِ جمعہ بعد مغرب ۲۰۴ھ میں چون (۵۴) برس کی عمر پاکر وفات پائی۔

آپ کے تلامذہ کی جماعت کثیرہ میں امام احمد بن حنبل وابوثور ابراہیم بن خالد وابو ابراہیم مزنی وربیع بن سلیم مرادی وغیرہ اعلیٰ درجے کے سینکڑوں باکمال محدثین ہیں۔

آپ بے حد ذہین، محنتی اور نہایت قوی قوت حافظہ والے تھے۔ اور جمال صورت کے ساتھ حسنِ سیرت کا بھی کمال رکھتے تھے اور بارعب شخصیت کے حامل تھے۔

آپ تقویٰ شعاری وپرہیزگاری، نیز عبادت کثیرہ میں بھی اپنے دور کے بے مثال عابد و زاہد اور صاحبِ ولایت وباکرامت بزرگ تھے، ہمیشہ آپ کا معمول رہا کہ ایک تہائی رات سوتے اور ایک تہائی رات میں عبادت کرتے اور ایک تہائی رات میں تصنیفات تحریر فرماتے اور روزانہ بلاناغہ ایک ختم قرآن مجید کی تلاوت فرماتے، زندگی بھر میں کبھی کوئی جھوٹ بات آپ کی زبان پر نہیں آیا نہ کبھی قسم کھائی، سخت سے سخت سردیوں میں بھی کبھی غسل جمعہ نہیں چھوڑا، اور سولہ برس تک لگاتار کبھی شکم بھر کھانا نہیں تناول فرمایا، فقہاء ومحدثین کے علاوہ اپنے دور کی بہت سے مشائخ صوفیہ کی بھی صحبت اٹھائی اہل بیت کرام سے والہانہ محبت رکھتے تھے یہاں تک کہ بعض کم فہموں نے آپ پر رافضی ہونے کی تہمت لگائی تو آپ نے ان مفتریوں اور کذابوں کو اپنے ایک شعر میں اس طرح جواب دیا کہ،

لو کان رِفضاً حبُّ ال محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

فلیشهد اثقلان انی رافضی

''یعنی اگر تم لوگوں کے فاسد گمان میں آل پاک حضرت محمد ﷺ سے محبت رکھنے ہی کا نام رافضی ہونا ہے تو تمام انس وجن گواہ ہوجائیں کہ اس معنی کے اعتبار سے میں رافضی ہوں کہ میں اہلِ بیت سے عشق ومحبت رکھتا ہوں۔''

آپ بہت ہی متبع سنت تھے اور مرجیہ وقدریہ وروافض وخوارج وغیرہ بددینوں وبدعتیوں سے انتہائی اجتناب ونفرت فرماتے تھے اور صاف صاف اعلان فرماتے تھے کہ اگر کوئی بدعقیدہ وبدمذہب ہوا میں بھی اڑنے لگے جب بھی وہ میری نظر میں قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔

آپ کے نصائح ووصایا آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں، آپ کی کتابوں اور آپ کے مذہب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور آج بھی آپ کے مقلدین کرروڑوں کی تعداد میں خاص کر مصر ویمن وانڈونیشیا ہندوستان کے علاقہ کوکن وغیرہ میں موجود ہیں۔ ①

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور نام ونسب احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد شیبانی مروزی ہے، ۱۶۴ میں شہر بغداد کے اندر آپ کی ولادت ہوئی سب سے پہلے آپ نے بغداد کے محدثین وفقہاء سے علمی استفادہ فرمایا پھر مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ وکوفہ وبصرہ ویمن وشام وجزیرہ وغیرہ کا علمی سفر فرما کر اپنے زمانے کے تمام مشہور مشائخ حدیث وفقہ کی شاگردی کی سعادت حاصل فرمائی۔ آپکے استادوں میں امام ابویوسف و یزید بن ہارون (تلامذہ امام ابوحنیفہ) و امام شافعی ویحیٰ بن سعید قطان وسفیان بن عینیہ وعبدالرزاق وابوداؤد طیالسی وبشر بن مفضل وغندر وغیرہ ہزاروں باکمال فقہاء ومحدثین ہیں، اور آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی بہت طویل ہے جن میں امام بخاری وامام مسلم بن الحجاج قشیری وابوزرعہ وابوداؤد وسختیانی اور آپ کے دونوں صاحبزدگان صالح بن احمد وعبداللہ بن احمد اور آپ کے چچازاد بھائی حنبل بن اسحاق وغیرہ بہت ہی نامور ہیں۔

امام شافعی نے فرمایا کہ میں بغدادا سے مصر روانہ ہوا تو امام احمد بن حنبل سے بڑھ کر کوئی فقیہ وصاحبِ علم ومتقی بغداد میں نہیں تھا۔

① اکمال و طبقات شعرانی و تهذیب التهذیب بحواله اولیاء رجال الحدیث ص ۱۴۴ تا ۱۴۷۔

ابوزرعہ کا قول ہے کہ امام احمد بن حنبل کو دس لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں آپ کے مزاج میں توکل اور استغنا حد درجہ تھا، حسن بن عبدالعزیز نے تین ہزار دینار کا نذرانہ آپ کی خدمت میں پیش کیا، اور عرض کیا کہ یہ میرا حلال مال ہے، آپ اس کو قبول فرما کر اپنی حاجتوں میں خرچ فرمائیے تو آپ نے نہایت بے پروائی سے فرمایا کہ مجھے تو اس کی ضرورت نہیں ہے، میرے پاس جو کچھ ہے وہی میرے لیے کافی ہے آپ کے صاحبزادے عبداللہ بن احمد فرماتے ہیں کہ میری والد نمازوں کے بعد اکثر یہ دعا فرماتے تھے، کہ یا اللہ جس طرح تو نے میرے چہرے کو غیر اللہ کے سجدوں سے بچایا اسی طرح میرے چہرے کو کسی کے آگے سوال کرنے سے بھی بچا۔

آپ ہمیشہ سوکھی روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے تھے اور کبھی روٹی سرکہ بھی تناول فرماتے، آپ کو گوشہ نشینی بہت محبوب تھی، بلا ضرورت مکان سے باہر نہیں نکلتے تھے، ساری رات شب بیداری و گریہ وزاری کرتے اور روزانہ بلاناغہ تین سو رکعت نماز نفل پڑھتے تھے مگر جب کوڑوں کی مار سے آپ نڈھال ہو گئے تو روزانہ ڈیڑھ سو رکعت پڑھنے لگے۔

آپ نے پانچ حج کیے تین پیدل چل کر اور دو حج سواری پر مگر کسی حج میں بھی اپنی ذات پر بیس درہم سے زیادہ خرچ نہیں کیا۔

ابوداؤد سختیانی نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل کی مجلس آخرت کی مجلس تھی جس میں کبھی بھی کوئی دُنیا کا تذکرہ نہیں ہوتا تھا۔

ہلال بن علاء فرماتے ہیں کہ خلقِ قرآن کے فتنے میں اگر امام احمد بن حنبل کوڑے کی سزا پانے کے باوجود حق پر ثابت قدم نہ رہتے تو ہزاروں مسلمان کافر ہو جاتے خداوندِ کریم امام احمد بن حنبل کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے کوڑوں کی مار برداشت کر لی اور حق پر ثابت قدم رہ کر ساری امت کو گمراہی سے بچا لیا۔

خلیفہ مامون رشید کے بھائی خلیفہ معتصم باللہ نے آپ کو گرفتار کیا اور اٹھائیس ماہ آپ کو جیل خانے میں قید رکھ کر کوڑے لگواتا رہا، خلیفہ معتصم باللہ کی موت کے بعد واثق باللہ خلیفہ ہوا تو اس کے دور حکومت میں بھی آپ پر کوڑوں کی مار اور جیل کی سختیاں جاری رہیں، یہاں تک کہ متوکل باللہ جب خلیفہ ہوا تو فرقہ معتزلہ کا زور ٹوٹ گیا اور آپ قید خانے سے رہا کیے گئے،

میمون بن اصبع کا بیان ہے کہ میں اس وقت بغداد میں موجود تھا جب امام احمد بن حنبل کو کوڑے لگائے جارہے تھے انہوں نے اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ بیان کیا کہ جلاد نے جب آپ کو پہلا کوڑا مارا تو آپ نے بلند آواز سے بسم اللہ پڑھا اور دوسرے کوڑے پر لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا جب تیسرا کوڑا پڑا تو القرآن کلام اللہ غیر مخلوق فرمایا اور چوتھے کوڑے کی مار پر لن یصیبنا اِلَّا مَا کَتَبَ الله لنا پڑھا اسی طرح انتیس کوڑے جلاد نے آپ کی پشت مبارک پر لگائے اور اس حالت میں آپ سے ایک عجیب کرامت صادر ہوئی کہ تمام اہلِ بغداد حیران رہ گئے، کوڑوں کی مار سے آپ کا کمر بند ٹوٹ گیا اور پائجامہ نیچے کو آنے لگا اور آپ کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے اسوقت آپ نے آسمان کی طرف سر اُٹھایا اور آپ کے ہونٹ ہلنے لگے، ناگہاں آپ کا پائجامہ خود بخود اُوپر چڑھ گیا اور کمر بند ٹوٹ جانے کے باوجود پائجامہ اپنی جگہ پر قائم رہا اور کسی نے آپ کا ستر نہیں دیکھا۔

میمون بن اصبع کہتے ہیں کہ میں ایک ہفتے کے بعد امام احمد کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے پوچھا کہ آپ نے کمر بند ٹوٹنے کے بعد آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کون سی دُعا پڑھی تھی، تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے خداوند تعالیٰ سے دُعا کی تھی کہ الٰہی اگر میں حق پر ہوں تو میری پردہ پوشی فرمالے اور مجھے اپنے بندوں کے رُو برو رسوائی سے بچالے۔

۲۴۱ھ میں بعمر ستتر ۷۷ سال بغداد میں آپ کی وفات ہوئی آپ کی وفات کی خبر سن کر شہر واطراف میں تہلکہ مچ گیا اور لوگ چیخیں مار مار کر رونے لگے۔

عبداللہ بن احمد کا بیان ہے کہ امام احمد کی نماز جنازہ میں آٹھ لاکھ ساٹھ ہزار مسلمان شریک ہوئے اور بعض مورخین کا قول ہے کہ دس لاکھ اور ایک روایت ہے کہ بیس لاکھ کا مجمع اور آپ کی وفات کے دن آپ کی نماز جنازہ و دفن کے منظر سے متاثر ہو کر بیس ہزار یہودی و نصرانی و مجوسی مسلمان ہوئے۔

احمد بن محمد کندی نے بیان کیا کہ میں نے امام احمد کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو میں نے پوچھا کہ خداوند کریم نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا تو آپ نے جواب دیا، کہ رب کریم نے میری مغفرت فرمادی اور مجھ سے یہ فرمایا کہ اے احمد بن حنبل تو نے میری

رضا کے لیے کوڑوں کی مار برداشت کی اور صبر کیا تو اب تو میرا جمال پاک کا دیدار کرلے، میں نے تیرے لیے اپنا دیدار مباح کر دیا ہے۔

ابوالحسن بن زاغولی سے منقول ہے کہ امام احمد بن حنبل کی وفات کے دو سو تیس برس کے بعد آپ کی قبر کے پہلو میں جب ابو جعفر بن ابی موسیٰ کے لیے قبر کھودی گئی تو اتفاق سے آپ کی قبر کھل گئی تو لوگوں نے دیکھا کہ دو سو تیس برس گزر جانے کے باوجود امام احمد کا کفن صحیح وسالم اور آپ کا جسم بالکل تروتازہ تھا، (رضی اللہ عنہ)۔[1]

حضرت بیہقی رحمہ اللہ

ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شعبان ۳۸۴ھ میں نیشاپور سے تین کوس دور بیہق نامی گاؤں میں پیدا ہوئے اس لیے بیہقی کہلاتے ہیں، حجاز، کوفہ، بصرہ بغداد، خراسان وغیرہ کے علمی مدارس میں مشہور شیوخ حدیث سے علم حدیث پڑھا آپ کے استادوں میں حاکم و ابوطاہر وابن فورک متکلم اصولی وصوفی ابوعلی رودباری وابوعبدالرحمٰن سلمی صوفی وغیرہ بہت مشہور ہیں آپ بڑی بڑی عجیب ومفید کتابوں کے مصنف ہوئے جن میں کتاب معرفۃ السنن والاثار بہت مشہور ہے آپ کی کل تصانیف کا اندازہ سولہ ہزار صفحات کے قریب ہے۔

زہد وتقویٰ اور دیانت وعبادت میں علمائے ربانی کی تمام خصائل حمیدہ کے جامع تھے، امام الحرمین نے ان کے بارے میں فرمایا کہ دنیا میں بیہقی کے سوا کسی کا احسان امام شافعی کی گردن پر نہیں ہے کیونکہ بیہقی نے اپنی تمام کتابوں میں امام شافعی کے مذہب کی خوب خوب نصرت وتائید کی ہے، بیہقی نے جب کتاب معرفۃ السنن والاثار کی تصنیف شروع کی تو اس زمانے کے بعض اولیاء نے امام شافعی کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس کتاب کے چند ورق اپنے ہاتھ میں لے کر فرماتے ہیں کہ آج میں نے فقیہ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی کی کتاب کے سات جزو پڑھے ہیں۔

مشہور فقیہ وقت محمد بن عبدالعزیز مروزی کا بیان ہے کہ ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صندوق زمین سے آسمان کی طرف اڑا جارہا ہے اور اس کے اردگرد ایک نور چمک

[1] اولیاء رجال الحدیث ص ۲۹ تا ۳۲.

رہا ہے میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے؟ تو فرشتوں نے جواب دیا کہ بیہقی کی تصانیف کا صندوق ہے جو بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو گیا ہے۔

۱۰ جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو شہر نیشاپور میں آپ کا وصال ہوا لوگ ان کو تابوت میں رکھ کر بیہق گاؤں میں لائے اور مقام خسروجرد میں دفن کیا۔

کبھی کبھی آپ شاعری کا بھی شوق فرماتے تھے چنانچہ یہ تین شعر آپ کے فکرِ سخن کا بہترین نمونہ ہیں۔

مَن اعترّ بالمولیٰ فذالک جلیل
ومن رام عزً اغن سواہ ذلیل

"جو خداوند تعالیٰ سے عزت کا خواستگار ہوا وہ بزرگ ہیا ور جس نے خدا کے سوا کسی دوسرے سے عزت طلب کی وہ ذلیل ہے۔"

ولو ان نفسی مذبراھا ملیکھا
مضیٰ عمر ھافی سجدہ لقلیل

"اگر میری جان جب سے اس کے مالک نے اس کو پیدا کیا تمام عمر ایک ہی سجدے میں گزار دے پھر بھی یہ نہایت ہی قلیل ہے۔"

احبُّ مناجاۃ الحبیب باوجہ
ولکن تسان المذنبین کلیل

"میرا دل تو یہی چاہتا ہے کہ محبوب سے طرح طرح کی باتیں کروں مگر اس کو کیا کروں کہ گنہگاروں کی زبان گونگی ہو جاتی ہے۔"[1]

حضرت دارقطنی رحمہ اللہ

ان کی کنیت ابوالحسن اور نام ونسب علی بن عمر بن احمد ہے بغداد کے محلے دارالقطن میں رہتے تھے اس لیے دارقطنی کہلاتے ہیں شافعی المذہب تھے ۳۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور

① بستان المحدثین بحوالہ اولیاء رجال الحدیث ص ۸۵۔۸۴.

ابوالقاسم بغوی وابوبکر بن داؤد محاملی وغیرہ محدثین سے حدیث کی سماعت کی اور بغداد کے علاوہ بصرہ ومصر وشام وغیرہ کے علمی مرکزوں کا دورہ کر کے بہت سے فقہاء ومحدثین سے بھی علم حاصل کیا اور حاکم وتمام رازی وابونعیم وغیرہ محدثین انکے حلقہ درس کے فیض یافتہ ہیں، یہ علم حدیث کے علاوہ فن نحو وقرائت میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے، حافظہ بے حد قوی تھا چنانچہ منقول ہے کہ ایک دن اسماعیل صفار محدث کی درسگاہ میں حاضر ہوکر احادیث لکھ رہے تھے، کہ جب سولہ صفحات کے قریب لکھ چکے تو اسمعیل صفار نے فرمایا کہ دارقطنی تم لکھنے میں اس قدر مشغول رہتے ہو کہ نہ اچھی طرح حدیثوں کو سنتے ہو نہ سمجھتے ہو تو دارقطنی نے عرض کیا کہ جناب کو یاد ہے کہ اس وقت تک آپ نے کتنی حدیثیں لکھائی ہیں؟ اسماعیل صفاء نے فرمایا کہ مجھ کو تو یاد نہیں۔

دارقطنی نے عرض کیا کہ جناب نے اِس وقت تک اُٹھارہ حدیثیں لکھوائی ہیں، پہلی حدیث فلاں عن فلان ہے، دوسری حدیث فلان عن فلان ہے، تیسری حدیث فلان عن فلان ہے اسی طرح اٹھارہ حدیثوں کی پوری سندیں مع متون حدیث اپنے حفظ سے زبان پڑھ کر سنا دیں، اسماعیل صفار اور تمام حاضرین مجلس ان کی قوتِ حافظہ پر حیران ومتعجب رہ گئے۔

ان کے لطائف میں سے ایک یہ ہے کہ ابوالحسن بیضاوی ایک طالبِ علم کو انکی خدمت میں احادیث لکھنے کے لیے لائے پہلے تو دارقطنی نے ٹالا مگر جب ابوالحسن بیضاوی نے اصرار کیا تو دارقطنی نے بیس سندیں اس طالبِ علم کو ایسی لکھوائیں جن میں ہر سند کا متن حدیث یہ تھا کہ نعم الشئی الھدیۃ امام الحاجۃ یعنی اپنی حاجت سے قبل کچھ ہدیہ پیش کرنا بہت اچھی بات ہے (دوسرے دن یہ طالب علم کچھ ہدیہ لے کر حاضر ہوا تو سترہ ۱۷ سندیں لکھوائیں اور ان سب کا متن یہ تھا کہ اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ یعنی جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کرو۔

اس واقعہ سے دارقطنی کے تجر علمی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے چنانچہ حاکم وخطیب بغدادی وغیرہ فن حدیث کے بڑے بڑے اماموں نے دارقطنی کے علم وفضل کی وسعت اور علمی مہارت کی شہادت دی ہے، دارقطنی صاحب تصانیف بھی ہیں اور انکی کتابوں میں سنن دارقطنی بہت مشہور ومعروف ہے۔

۸ ذوالقعدہ بروز جمعرات ۳۸۵ھ کو ان کی وفات ہوئی، حافظ ابونصر ماکولا محدث کا بیان ہے کہ میں نے اِن کی وفات کے بعد خواب دیکھا کہ میں نے فرشتوں سے ملاقات کی اور دار قطنی کا حال پوچھا کہ آخرت میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ جنت میں ان کا لقب ''امام'' ہے۔[1]

***

[1] بستان المحدثین ، بحوالہ اولیاء رجال الحدیث ص ۱۱۸ تا ۱۱۹.